کیا یہ شرک ہے؟
قومی ترانے کیلئے قیام اور پرچم کو سلام
ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک اہم مضمون

جون ۸۲ء

وَقَدْ أَخَذَ مِيثَاقَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

مکتبہ تنظیم اسلامی لاہور

مقام اشاعت :- ۳۶-کے- ماڈل ٹاؤن - لاہور

ماہِ رمضان المبارک میں خصوصی رعایت

ڈاکٹر اسرار احمد

کی کتب کا مطالعہ ان شاء اللہ آپ کے دینی فہم میں اضافہ کا موجب ہوگا۔

- ★ مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق ۔/۴
- ★ اسلام کی نشاۃ ثانیہ، کرنے کا اصل کام ۱/۵۰
- ★ راہِ نجات، سورۃ والعصر کی روشنی میں ۔/۲
- ★ قرآن حکیم کی سورتوں کا اجمالی تجزیہ ۔/۸
- ★ مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب ۔/۱۰
- ★ نبی اکرمؐ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں ۔/۳
- ★ نبی اکرمؐ کا مقصدِ بعثت ۔/۴ ★ شہیدِ مظلوم ۔/۴
- ★ قرآن اور امنِ عالم ۱/۵۰ ★ عظمتِ صوم ۱/۵۰
- ★ دعوت الی اللہ ۱/۵۰ ★ سرافگندیم ۔/۷
- ★ علامہ اقبال اور ہم ۔/۲ ★ مطالبات دین ۔/۶
- ★ تنظیم اسلامی، شرائطِ شمولیت ۱/۵۰ ★ تنظیم اسلامی نظام العمل ۱/۵۰
- ★ رُوداد تنظیم اسلامی ۱ ۔/۱۰ ★ رُوداد تنظیم اسلامی ۲ ۔/۱۵

مندرجہ بالا اٹھارہ کتب کی مجموعی قیمت = ۸۴/ ہے۔ رمضان المبارک میں توسیعِ دعوت کے نقطۂ نظر سے ان کی رعایتی قیمت = ۶۴/ مقرر کی گئی ہے

تین سیٹ منگوانے پر ڈاک خرچ بھی ادارہ کے ذمہ ہوگا۔

اِس خصوصی رعایت سے فائدہ اٹھانے کا یہ نادر موقعہ ہے۔

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶، کے۔ ماڈل ٹاؤن۔ لاہور ۱۴ (فون ۸۵۲۶۱۱)

وَقَدۡ اَخَذَ مِیۡثَاقَکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُؤۡمِنِیۡنَ

ماهنامه **میثاق** لاهور

جلد: ۳۱ | شعبان المعظم ۱۴۰۲ھ، جون ۱۹۸۲ء | شمارہ: ۶

مشمولات

● عرضِ احوال	جمیل الرحمٰن	۲
● شذرات	ڈاکٹر اسرار احمد	
● قومی ترانے کے لئے 'قیام' اور پرچم کو 'سلام'	〃 〃	۴۱
● سلسلۂ تقاریر 'الکتٰب' (پارہ ۲۷)	〃 〃	۴۹
● حسنِ انتخاب : دَورِ جدید کا مسلمان	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم	۵۳
● تنظیم اسلامی کا ساتواں سالانہ اجتماع اور امیرِ تنظیم اسلامی کا اختتامی خطاب	مرتبہ: جمیل الرحمٰن	۶۳
● اسلامی انقلاب کی تیسری سالگرہ	مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی	۷۷

★

ادارہ تحریر:- شیخ جمیل الرحمٰن ، حافظ عاکف سعید

سالانہ زرِ تعاون: ۳۰/=

ناشر: ڈاکٹر اسرار احمد، طابع : چودھری رشید احمد

مطبع : مکتبہ جدید، شارع فاطمہ جناح - لاہور

قیمت فی شمارہ ۳/=

مقامِ اشاعت : ۳۶ - کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور۱۴، فون: ۸۵۲۶۱۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنٰكَ

شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا ۝

وَّدَاعِيًا إِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا ۝

پارہ ۲۲ سورہ الاحزاب رکوع ۵ آیت ۴۵، ۴۶

O Prophet ! truly We have sent thee
as a Witness, a Bearer of glad
tidings, and a Warner, and as
one who invites to Allah's (Grace)
by his leave and a lamp spreading light.

Karachi Port Trust The Port of Pakistan

KPT-2-79 RIO(K)PID Ravi-Delmon Ltd

جمیل الرحمٰن — نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

عرضِ احوال

ماہ شعبان ۱۴۰۲ھ مطابق جون ۱۹۸۲ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔

——— مئی کا شمارہ ایک خصوصی اشاعت کے طور پر پیش کیا گیا تھا۔ جس کی تیاری ۱۷ اپریل سے شروع ہوئی تھی۔ بحمداللہ دن رات کی محنت سے ۲۰۰ صفحات پر مشتمل یہ اشاعتِ خاص ۱۴ مئی کو پریس سے آگئی تھی۔ ۱۷ مئی تک حوالۂ ڈاک کی گئی۔ توقع ہے کہ یہ شمارہ تمام قارئین کو پہنچ چکا ہوگا۔ اس شمارے میں کتابت کی چند غلطیاں رہ گئیں اور محترمہ نجم منوّر علی صاحبہ کے مضمون کے چند صفحات کی ترتیب غلط ہو گئی۔ جس پر ادارہ قارئین سے معذرت خواہاں ہے۔ یہ شمارہ معمول سے زیادہ تعداد میں طبع کرایا گیا ہے۔ تاکہ اس کو وسیع تر حلقے میں پہنچایا جا سکے۔ توقع ہے کہ قارئینِ میثاق بالعموم اور دعوتِ رجوع الی القرآن اور تحریکِ تجدیدِ ایمان۔ توبہ۔ تجدیدِ عہد کے وابستگان بالخصوص اس کام میں تعاون فرمائیں گے۔ اس شمارے کے متعلق ادارے کو قارئین کی آراء کا انتظار ہے۔

ماہ مئی ۸۲ء میں پنجاب کے بعض اضلاع میں خلافِ معمول بارشوں کی وجہ سے فصلوں کو کافی نقصان پہنچا ہے اور اناج کے متعلق خود کفیل ہونے کی جو امید پیدا ہو چلی تھی وہ ان غیر موسمی بارشوں کی وجہ سے خطرے میں پڑ گئی ہے — ہمارا حال یہ ہے کہ ایسی غیر معمولی باتوں سے ہم کوئی عبرت نہیں لیتے۔ بس اسے چند غیر معمولی طبعی تبدیلیوں کا سبب سمجھ کر مطمئن ہو جاتے ہیں — حالانکہ یہ اور ایسے دوسرے تمام غیر معمولی حالات واقعات کی غایت اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کے تحت ہوتی ہے۔ اس کی ایک حکمت تو یہ سمجھ میں آتی ہے کہ انسان جو اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات سے محجوب ہو جاتا ہے اس کا یہ حجاب دور ہو اور اس کا ذہن اس طرف مبذول ہو کہ ایک علیم و قدیر ہستی اس کائنات کے نظم کی نگرانی فرما رہی ہے۔ اسی کی مشیت قدرت اس کائنات میں جاری و ساری ہے۔ وہ ہی اس کا مالک

مختار ہے تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۔
"وہ بڑی بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے اس (اللہ) کی ہستی جس کے ہاتھ میں (اس کائنات کی) حکومت ہے اور وہ ہر چیز پہ قدرت رکھنے والا ہے"۔ اور اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ لوگو! آگاہ رہو تخلیق بھی اُسی (اللہ) کی ہے اور حکم بھی اسی کا چل رہا ہے"۔ یعنی اس کائنات کا مدبّرِ حقیقی صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس ہے۔ اس کائنات کا پورا نظم اس کے قبضۂ قدرت میں جکڑا ہوا ہے ـــ دوسری حکمت یہ سمجھ میں آتی ہے کہ لوگ سرکشیوں اور نافرمانیوں پر متنبّہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں، اپنے گناہوں پر اس سے استغفار کریں يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا ـ اور عبادتِ ربّ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کے عہد کی تجدید کریں اور فکر و عمل کے لحاظ سے ایک حقیقی بندہ مسلم و مومن بننے کی کوشش کریں۔ لیکن وائے حسرتا! ہم ان تنبیہات سے کوئی سبق نہیں لیتے اور ان کو طبعی قوانین کے زیرِ اثر قرار دے کر خود کو مطمئن کر لیتے ہیں اور عبرت پذیری کی طرف ہمارا ذہن منتقل نہیں ہوتا ـــ ہم نے پاکستان کا مطالبہ کیا کہ ہم اس مملکت کو ایک مثالی اسلامی ریاست بنائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری نصرت فرمائی اور برطانیہ کی لیبر پارٹی اور کانگریس جیسی متحدہ ہندوستان کی سب سے بڑی اور منظم پارٹی کی مخالفتوں اور مزاحمتوں کے علی الرغم صرف تین ماہ کے اندر اندر پاکستان کے قیام کا فیصلہ بھی ہو گیا اور وہ بالفعل قائم بھی ہو گیا۔ اور ہمیں موقع دیا گیا کہ ہم اپنے عہد کو پورا کریں۔ لیکن ہم نے اس عہد اور اعلان کو پسِ پشت ڈال دیا ـ اسلام کی طرف پیش رفت کی بجائے، دینی و اخلاقی لحاظ سے ہم بالکل معکوس راہ پر گامزن ہو گئے اور تاحال بحیثیتِ ملّتِ پاکستان ہمارا یہی حال ہے۔ اس دور میں جبکہ اسلامی نظام کے بلند بانگ دعوے کئے جا رہے ہیں کتاب و سُنّت کے واضح احکام کی نہ صرف خلاف ورزی کی جا رہی ہے بلکہ ان کا استہزا اور تمسخر ہو رہا ہے۔ جس کی تازہ ترین مثال سترِ حجاب اور اسلام میں عورت کے حقیقی مقام سے متعلق شریعت کے احکام کے ساتھ جس دیدہ دلیری سے تمسخر کیا جا رہا ہے اور یہ کہا جا رہا ہے کہ زمانہ بہت ترقی کر چکا ہے اب یہ

چودہ سو سال قبل کا فرسودہ (معاذ اللہ نقلِ کفر کفر نہ باشد) نظام ہمارے لئے خاص طور پر خواتین کے لئے قابلِ قبول نہیں ہے - اس گستاخی کا مسلسل ارتکاب ہو رہا ہے اور جرائد میں ایسے بیانات و مضامین کا ایک طویل سلسلہ جاری ہے اور اس نظریے کو کافی نمایاں طور پر شائع کر کے معاشرے کے اذہان کو مسموم کیا جا رہا ہے لیکن اس پر نہ ہمارا اجتماعی ضمیر بیدار ہوتا ہے اور نہ دین کی غیرت و حمیّت جوش میں آتی ہے اور نہ ہی حکومتِ وقت ایسی باتوں کا کوئی نوٹس لیتی ہے — ہماری ان ہی بداعمالیوں پر متنبّہ کرنے کے لئے اللہ تعالےٰ ایسے وقتی عذاب نازل فرماتا رہتا ہے - سقوطِ مشرقی پاکستان، ہماری مغربی سرحدوں پر سرخ خطرے کا پہنچ جانا، بھارت کی موجودہ حکومت کے عزائم اور خشک سالی اور بے موسم بارشیں، ہمارا آپس کا انتشار و افتراق دراصل یہ سب باتیں ہمارے لئے تنبیہات ہیں لیکن نظر آرہا ہے کہ ہم ہیں کہ خوابِ غفلت میں سرشار ہیں اور ہمارے روز و شب میں بحیثیت مجموعی کوئی اصلاح نظر نہیں آتی - اگر ہماری نافرمانیوں اور سرکشیوں کا یہی حال رہا تو ہو سکتا ہے کہ صورتِ واقعہ یہ ہو جائے کہ ؏ تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں - اے کاش ہم ان تنبیہات سے سبق لیں، عبرت پکڑیں اور ملک بھر میں تجدیدِ ایمان، توبہ اور تجدیدِ عہد کی بڑے پیمانے یعنی عوامی سطح پر ایک تحریک بپا ہو تاکہ اللہ تعالےٰ کی عنایت اور توجہ ہماری طرف مبذول ہو اور ہم عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ کے مصداق قرار پائیں - اگر ایسا نہ ہوا تو اللہ تعالےٰ کا انصاف بے لاگ ہے - ان ہی نافرمانیوں کی وجہ سے سلطنتِ اندلس کا نام و نشان مٹ چکا ہے — دولتِ عثمانیہ پارہ پارہ ہو کر ختم ہو چکی ہے - عرب جیسا وسیع و عریض ملک مختلف چھوٹے چھوٹے ممالک میں تقسیم ہو چکا ہے اور ان میں اتفاق و اتحاد کے بجائے افتراق و انتشار ہے - ہمارا قبلہ اول بیت المقدس اور فلسطین کا تقریباً تمام علاقہ نیز اردن، شام اور لبنان کے بہت سے علاقے اسرائیل کے پنجۂ استبداد میں ہیں - ایران و عراق دو مسلم ملک ڈیڑھ سال سے باہم دست و گریباں ہیں اور وہاں آگ و خون کی ہولی کھیلی جا رہی ہے - مسلمان کے ہاتھوں مسلمان کو موت کی گھاٹ اتارا جا رہا ہے - ہندوستان جس پر مسلمانوں نے

تقریباً سات آٹھ سو سال حکومت کی ہے وہاں مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ ہے۔ اور اس برصغیر میں سمٹ سمٹا کر جو ملک "پاکستان" کے نام سے وجود میں آیا وہ دو لخت ہو چکا ہے۔ اس کی سرحدوں پر خطرات منڈلا رہے ہیں۔ خارجی خطرات کے ساتھ ساتھ بہت سے داخلی خطرات بھی موجود ہیں۔ لیکن ہم ہیں کہ خواب غفلت سے نہ صرف یہ کہ بیدار نہیں ہو رہے اور اللہ کی نافرمانیوں پر ہی اکتفا نہیں کر رہے بلکہ اس کے دین کا استہزاء و تمسخر ہو رہا ہے اور ہماری دینی و ملی غیرت و حمیت کا دیوالیہ نکل چکا ہے۔ اگر ان حالات کی صحیح نہج پر تبدیلی واقع نہ ہوئی تو بصارتِ ظاہری اور بصیرتِ باطنی ان خطرات کو دیکھ رہی ہے۔ جو ہماری نافرمانیوں کی وجہ سے ہمارے سروں پر منڈلا رہے ہیں۔ اگر اب بھی ہم اپنے فرائض دینی کی انجام دہی کے لئے کمربستہ نہ ہوئے تو ہم سزا کے مستوجب ہو کر رہیں گے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار ط

ان تنبیہات میں اور بہت سی حکمتیں بھی ہوں گی جن کو وہ اللہ جو العزیز ، الحکیم ہے۔ جانتا ہے۔

تنظیمِ اسلامی یوم تاسیس سے لے کر اپنے چھٹے سالانہ اجتماع تک اسلامی انقلابی جدّ و جہد کے ضمن میں بتدریج جن مراحل سے گزر کر آج جس مقام پر پہنچی ہے ان کو "روداد تنظیمِ اسلامی" حصہ اوّل و دوم میں یکجا شائع کر دیا گیا ہے اس میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد، امیر تنظیم اسلامی کی بہت سی تقاریر کی تلخیص اور چھٹے سالانہ اجتماع کے افتتاحی اور اختتامی خطاب مفصل شامل ہیں۔ ان رودادوں کا مطالعہ ان شاء اللہ تنظیم اسلامی کے جملہ رفقاء و احباب کے لئے بالخصوص اور دعوتِ رجوع الی القرآن اور تحریک اقامتِ دین کے ہمدردوں اور بہی خواہوں کے لئے بالعموم مفید رہے گا۔ یہ رودادیں مکتبہ مرکزی تنظیم اسلامی لاہور اور کراچی کے دفتر ملا داؤد منزل متصل شاہ بکری نزد آرام باغ سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔

محترم ڈاکٹر صاحب وفاقی کونسل عرف "مجلسِ شوریٰ" سے مستعفی ہو گئے ہیں۔ موصوف اس کے پہلے ہی اجلاس میں شرکت کے دوران ہی یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے

کہ وہ اپنی شمولیت باقی رکھیں یا اسے ختم کردیں - اس کا اظہار انہوں نے ۱۵ر جنوری ۸۲ء کے خطابِ جمعہ میں کردیا تھا - یہ خطاب مکمل طور پر میثاق کے مارچ کے شمارے میں شائع ہوچکا ہے - بالآخر جب موصوف اس نتیجے پر پہنچے کہ اس میں ان کی شمولیت چنداں مفید نہیں ہے اور یہ مجلس ایک تو ان کے موقف و نظریات کے مطابق اپنا وظیفہ انجام نہیں دے رہی ہے، دوسرے اس میں شمولیت کی وجہ سے ان کی دعوتی و تدریسی سرگرمیاں متاثر ہورہی ہیں تو انہوں نے ۳ مئی کو زبانی اور ۵ مئی کو تحریری طور پر استعفاء محترم صدرِ مملکت کی خدمت میں پیش کردیا۔ اس استعفے کے خط کا متن ماہ مئی کے شمارہ میں منسلکہ ضمیمہ میں شامل کردیا گیا تھا۔ اس استعفے پر ملک میں ملا جُلا ردِّ عمل ہوا ہے - اکثر حلقوں میں اس اقدام کو سراہا گیا ہے اور بعض نے اس کو غلط قرار دے کر اس سے اختلاف کرتے ہوئے اس پر نکتہ چینی کی ہے — اس ضمن میں عرض ہے کہ ڈاکٹر صاحب کا مستقل طرزِ عمل اس دُعا کے مطابق ہوتا ہے کہ :

اللّٰھمَّ اَرنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہٗ وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہٗ — اور

رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صدقٍ وَاخرجنی مخرج صدقٍ واجعلنی من لدنک سلطٰناً نصیراً ؕ

بقیہ : الکتب

گومگو کی کیفیت سے دوچار ہوگئے کہ اللہ کے دین کے لئے سرفروشی اور جانفشانی کریں یا نہ کریں۔ قدم آگے بڑھائیں یا نہ بڑھائیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ آج یہاں تمہارا کوئی مددگار نہیں - آج تمہارا انجام کفار کے ساتھ ہوگا ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس انجام بد سے بچائے اور دین کے تقاضوں کو کما حقہٗ ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے -

وننزل من القرآن ما هو شفاء ورحمة للمؤمنين

سورة الاسراء۔ الآیۃ ۸۲

عطیّہ: حاجی محمد سلیم

حاجی شیخ نور الدّین اینڈ سنز لمیٹڈ (Exporters)

۳۰۱ ، لنڈا بازار ، لاہور ۳۰۶۴۲۸ / ۳۰۵۴۶۹

شذرات

ڈاکٹر اسرار احمد (امیرِ تنظیمِ اسلامی) کا ایک خطاب!

ڈاکٹر صاحب موصوف نے ۱۴ مئی کے خطابِ جمعہ میں مختلف موضوعات اور مسائل پر اظہارِ خیال فرمایا تھا۔ انہوں نے خود ہی اس کو "شذرات" سے موسوم کیا تھا۔ لہٰذا اسی عنوان سے یہ خطاب استفادہ عام کے لئے پیش ہے۔ (مرتب)

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

فقال اللہ تعالیٰ عزّ وجلّ فی سورۃ الشوریٰ۔ امّا بعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ــ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۭ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ○ ــــ صدق اللہ العظیم

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْهُمْ ــــ!

رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ

○

حضرات! آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ میں آج پانچ منٹ کی تاخیر سے بات شروع کر رہا ہوں ارادہ تو مزید تاخیر کا تھا۔ لیکن مجھے خیال آیا کہ آپ حضرات منتظر ہوں گے۔ اس تاخیر کا سبب یہ تھا کہ طبیعت رات سے کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ غالباً یہ پانچ روز کی ان شدید مصروفیات کے مابعد کا اثر ہے جو پانچ دن (۸، تا ۱۲، مئی) کوئٹہ میں رہیں۔ رات بخار ہوا اور پوری رات بڑے کرب میں گزری ہے اور صبح سے اسہال ہو رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے میں بڑی نقاہت محسوس کر رہا ہوں۔ کئی بار تو میں نے یہ سوچا کہ میں آج یہاں حاضر نہ ہوں لیکن پھر یہ خیال کرتے ہوئے کہ بغیر اعلان اس طرح اچانک غیر حاضری سے احباب کو بڑی مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو جیسے تیسے بھی میں ہمت کر کے حاضر ہو گیا ہوں۔ ویسے کسی تقریر کے لئے ذہن کو تیار کرنے کا جو مسئلہ ہوتا ہے تو آج اپنی علالت کی وجہ

سے دہ میں نہیں کرسکا۔ لہٰذا آج مجھ سے کسی مربوط تقریر کی توقع نہ رکھئے۔ اگرچہ غیر مربوط گفتگو سے خود مجھے شدید الجھن ہوتی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ غیر مربوط تقریر کرنا میرے لئے نہایت مشکل ہوتا ہے۔ بایں ہمہ میں آج جو کچھ عرض کروں گا اس کو اس پر قیاس کیجئے کہ جیسے کسی اخبار یا جریدے کا اڈیٹوریل ہوتا ہے اور اس کے ساتھ چھوٹے چھوٹے شذرات (Notes) ہوتے ہیں۔ تو میری آج کی گفتگو شذرات کی نوعیت کی ہوگی۔

سب سے پہلے تو اس موضوع کے متعلق جو پانچ چھ جمعوں سے زیر بحث ہے اس کے بارے میں مجھے تین باتیں عرض کرنی ہیں۔ پہلی بات مجھے اس کی اہمیت کے اعتبار سے کہنی ہے ــــ اس کا مجھے پرسوں کوئٹہ میں احساس ہوا تھا۔ اس وقت بلوچستان کے گورنر لیفٹیننٹ جنرل رحیم الدین خاں صاحب ہیں۔ انہوں نے پرسوں ایک خاص اجتماع کا اہتمام کیا تھا جس میں بلوچستان گورنمنٹ کے گریڈ سترہ اور اس سے اوپر کے گریڈ کے تمام افسران کو انہوں نے جمع کیا اور وہاں مجھے تقریر کی دعوت دی۔ اس طرح گویا حکومت بلوچستان کی کریم (cream) تھی جو اس اجتماع میں میرے سامنے موجود تھی۔ ایک ہزار کے لگ بھگ وہاں آفیسرز تھے۔ میں نے وہاں جو تقریر کی اس سے وہاں دوبارہ میرا ذہن اس طرف متوجہ ہوا جو میں آپ کے سامنے اختصار و اجمال کے ساتھ بیان کرنے والا ہوں ــــ اس سے قبل ایک بات جان لیجئے کہ ایک بات آپ کو معلوم ہوتی ہے اور دلائل کے ساتھ آپ اس کو بیان بھی کرتے ہیں۔ لیکن جب کچھ عرصہ گذر جاتا ہے تو وہ بات خود بخود آپ کے شعور سے تحت الشعور میں اترنی شروع کر دیتی ہے۔ پھر کسی وقت اچانک احساس ہوتا ہے کہ واقعتاً اس مسئلہ کی بڑی اہمیت ہے۔ تو میں نے پہلے بھی اس موضوع پر یہاں بھی اور کئی دوسرے مواقع پر بھی ــــ گفتگو کی ہے کہ ہم پاکستانی مسلمانوں کے لئے اسلامی نظام کا قیام یا اقامت دین کا مسئلہ ایسا مسئلہ نہیں ہے کہ ہمارے سامنے بہت سے Options (انتخابی مواقع) ہوں۔ جن میں سے ایک Option یہ ہو۔ ہمارے پاس تو کوئی دوسرا Option سرے سے ہے ہی نہیں۔ ہمارا معاملہ تو وہ ہے کہ ؏ کافر نتوانی شد ناچار مسلماں شو۔ ہم کافر ہو ہی نہیں سکتے۔ ہمارے پاس کوئی چارۂ کار ہے ہی نہیں کہ ہم اسلام کا دامن نہ تھامیں۔ ــــ ویسے تو کہا جاتا ہے کہ اس وقت موجودہ دنیا میں دو ملک ہیں جو مذہب کے نام پر قائم ہوئے۔ ایک پاکستان اور دوسرا اسرائیل ــــ لیکن میں نے یہ بات پہلے بھی کبھی فروری

عرض کی ہوگی کہ اسرائیل کا وجود مذہب کا مرہونِ منت نہیں ہے۔ یہ یہودی نیشنلزم ہے جس کی بنیاد Jewish Race پر ہے۔ جس کا بنیادی فلسفہ یہ ہے کہ وہ خود کو The Chosen Peoples of God (اللہ کے پسندیدہ لوگ) سمجھتے ہیں۔ یہ احساس اور زعم ہے جو ان کو تقریباً سوا تین ہزار سال سے زندہ رکھے ہوئے ہے۔ ورنہ ان کا اپنے مذہب سے کوئی خاص لگاؤ اور سروکار نہیں ہے۔ اس موجودہ صیہونی تحریک (Zionist Movement) کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہودیوں میں مذہب سے لگاؤ اس وقت اتنا بھی نہیں جتنا آٹے میں نمک ہوتا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ انہوں نے اپنی عبرانی زبان کی چند اصطلاحات زندہ کرلی ہیں۔ وہ بھی نیشنلزم کے جذبے کے تحت ہوا ہے جس کی بنیاد نسل (Race) پر ہے لہٰذا اس وقت پوری دنیا میں صرف ایک ملک ہے جو صرف مذہب کے نام پر قائم ہوا ہے اور پوری دنیا میں کوئی دوسرا مسلم ملک بھی ایسا نہیں ہے کہ اس کی اساس صرف اور صرف مذہب ہو۔ بقیہ مسلم ممالک کے لئے مذہب کے علاوہ کوئی نہ کوئی دوسرا نیشنلزم موجود ہے یا وہ نسلی نیشنلزم (Racial Nationalism) ہے یا وہ لسانی نیشنلزم ——— (Linguistic Nationalism) ہے۔ یہ قومیتیں (Natimalism) ان مسلم ممالک کو کچھ نہ کچھ سہارا دینے کے لئے موجود ہیں۔ وہ اسلام سے اگر روگردانی کریں یا یہ کہ پوری گرمجوشی سے (Whole Heartedly) پیش قدمی نہ کریں تب بھی دنیوی اعتبار سے ان کے لئے کوئی فوری مسئلہ کھڑا نہیں ہوگا۔ یہاں میں نے دنیوی اعتبار سے عرض کیا ہے۔ اس کو خاص طور پر سامنے رکھئے گا۔ مثلاً ترکی میں نیشنلزم Turkish Nationalism ہے۔ اسی کے حوالے سے مصطفیٰ کمال پاشا نے پہلی جنگ عظیم کے بعد اسے بچایا تھا۔ مذہب کی تو انہوں نے جڑیں کھود دی ہیں۔ مذہب کے معاملے میں تو وہاں معاندانہ رویہ رہا ہے۔ یہ تو چند برس پہلے حالات بدلنے شروع ہوئے تھے، وہ بھی بہت کم۔ اسی طرح عربوں کو سہارا دینے والا عرب نیشنلزم ہے۔ جس کی بنیاد زبان پر ہے۔ یہی صورت حال ایران کی ہے۔ پورے ایران کی زبان فارسی زبان ہے۔ ایک زبان کسی ملک میں قومیت (Nationalism) کا احساس پیدا کرتی ہے اور اس کو استحکام بخشتی ہے ——— ہمارے پاس ان میں سے کوئی بھی عامل (Factor) نہیں ہے۔ اسی پر میں نے وہاں تفصیل سے گفتگو کی تھی۔ چونکہ بہرحال اس

اعتبار سے بلوچستان ایک حساس علاقہ (Sensitive Spot) ہے۔ وہاں علاقائی قومیت (Biluch Nationalism) کا نعرہ موجود ہے۔ اگرچہ اس اعتبار سے میں آپ کو اپنے اس اطمینان میں شریک کرنا چاہتا ہوں کہ مجھے وہاں جاکر حالات کو قریب سے دیکھنے کا جو موقع ملا ہے تو مجھ کو اتنی تشویش نہیں رہی، جو پہلے تھی۔ وہاں کے حالات میں بہتری ہے۔ یہ بہتری کا عمل وہاں کے ترقیاتی کاموں (Developmental works) سے شروع ہوا تھا۔ جس کا آغاز تو بھٹو صاحب کے دور میں ہو گیا تھا لیکن مجھے بتایا گیا کہ اس دور میں اگرچہ وہاں بہت بڑی رقم لگائی گئی sink کی گئی تھی، لیکن وہ ترقیاتی منصوبوں پر کم خرچ ہوئی ہے۔ اس کا بہت بڑا حصہ اوپر ہی اوپر اڑا لیا گیا ہے یعنی وہ رقم سرداروں کی جیبوں میں پہنچی یا بڑے بڑے آفیسرز کی جیبوں میں ـــــ لیکن اب وہاں جو کام ہو رہا ہے۔ الحمد للہ وہاں میں جس شخص سے بھی ملا ہوں اس نے لیفٹیننٹ جنرل رحیم الدین خاں صاحب کی امانت و دیانت کی شہادت دی ہے۔ اس معاملے میں مارشل لاء کی حکومت کو ناپسند کرنے والوں میں سے بھی کسی نے انگلی نہیں اٹھائی۔ لہٰذا اب جو رقم وہاں کے ترقیاتی کاموں کے لئے مختص ہوتی ہے، وہ واقعتاً Developmental Works پر ہی خرچ ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے وہاں نئی زمینیں تیار ہوئی ہیں۔ جن پر کاشت ہو رہی ہے۔ باغات لگائے گئے ہیں۔ وہاں بجلی کا جال پھیلا ہے۔ آر سی ڈی ہائی وے نے کوئٹہ سے قلات اور خضدار ہوتے ہوئے کراچی کو جو راستہ جا رہا ہے جس میں پہلے بہت ہی حساس علاقے (Sensitive Spots) تھے، ان علاقوں میں اس وقت حالات بہت بہتر ہیں۔ تو اس اعتبار سے مجھے ایک اطمینان حاصل ہوا۔ میں نے چاہا کہ اس اطمینان میں آپ کو بھی شریک کر دوں کہ وہاں حالات پہلے سے یقیناً بہتر ہیں ـــــ لیکن اس کے باوجود وہاں ایک نظریاتی طاقت موجود ہے جس کو بیرونی مدد (Sport) حاصل ہے لہٰذا میں نے وہاں اسی موضوع پر تقریر کی جس پر میں یہاں بھی اور دوسرے کئی مقامات پر بھی گفتگو کر چکا ہوں کہ کسی ملک کی بقاء اور سالمیت کو سہارا دینے اور استحکام بخشنے کے جتنے بھی عوامل (Factors) ممکن ہیں ان کو ایک ایک کر کے گن لیجئے۔ ان میں سے کوئی عامل (Factor) ہماری پشت پر موجود نہیں ہے۔ اگر کوئی سہارا ہے تو وہ صرف اور صرف دین و مذہب ہے۔ اس کے سوا ہمارے پاس کوئی اور دوسرا سہارا

موجود ہی نہیں ہے۔ لہٰذا اس ملک میں صحیح اسلامی نظام کا نفاذ صرف ہمارے دین و ایمان کی نوعیت کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ ہمارے وطن کی سلامتی کا دار و مدار صرف اسی پر ہے ۔ ہمارے ملک کے استحکام کا انحصار بھی صرف اسی پر ہے۔ ہمارے لئے یہ معاملہ اس نوع کا نہیں ہے کہ یہ مسئلہ ہمارے کئی Options میں سے ایک Option کو اختیار کرنے کا ہو۔ بلکہ یہ ہمارے لئے ناگزیر ہے کہ ہم یہاں اسلام کو قائم اور نافذ کریں — اگر نہیں کریں گے تو یہ ملک نہیں رہے گا ۔ نہ رہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ زمین غائب ہو جائے گی ۔ زمین تو بنگلہ دیش کی بھی قائم ہے۔ ہوگا یہ کہ جو ملک پاکستان کے نام سے قائم ہوا تھا وہ نہیں رہے گا ۔ دو لخت تو پہلے ہی ہو چکا ہے۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ آگے یہ کتنے حصّوں میں بٹے گا اور نہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس میں وقت کتنا لگے گا۔ اس لئے کہ بہت سے خارجی عوامل بھی کچھ ملکوں کو قائم رکھتے ہیں وہ خود اپنے بل پر قائم نہیں ہوتے بلکہ کچھ سُپر پاورز ان کو سہارا دے کر قائم رکھتی ہیں اپنے مفادات کے لیے[۱] اس طریقے سے کوئی ملک اگر رہا بھی تو کیا رہا ۔ یہ کوئی رہنے میں رہنا نہیں ہے ۔ یہ کوئی وجود میں وجود نہیں ہے کہ دوسروں کے مفادات و مقاصد میں Fit ہو کر اپنے وجود کے لئے کچھ مہلت (Fresh Lease of Existance) حاصل کر لی جائے تو یہ کوئی واقعتاً باوقار اور باعزت معاملہ نہیں ہے ۔ اگر اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا ہے اور اگر ان قوتوں کو متحرک (Mobilize) کرنا ہے جو ہماری قوم میں بالقوہ (Potentially) موجود ہیں تو اس کو متحرک و فعّال کرنے کے لئے ایک جذبۂ محرکہ کی ضرورت ہے۔ ہماری قوم میں جذبہ اور صلاحیت ہے، لیکن اصل میں سوئی ہوئی صلاحیتوں کو اُبھارنے اور صحیح نہج پر لگانے کے لئے ایک جذبہ درکار ہوتا ہے اور وہ جذبہ ہمارے پاس سوائے اس کے اور کوئی نہیں ہے کہ دین کے جذبے کو صحیح بنیادوں پر اُبھارا جائے اور پروان چڑھایا جائے ۔ اگر اس جذبے کو جلد صحیح نہج پر نہ ڈالا گیا اور اگر یہ جذبہ چند اُن نعروں سے انگڑائیاں لینے لگا جو لسانی، نسلی، علاقائی عصبیتوں کو انگیز و مشتعل کرنے والے ہیں تو پھر اس کا وہی نتیجہ نکلے گا جو مشرقی پاکستان میں بنگلہ دیش کی تحریک کی صورت میں نکل چکا ہے

---

[۱] خاص طور پر جیسے تائیوان اور اسرائیل ۔ (مرتّب)

اگر دین کے جذبے کو اُبھارا جائے تو واقعہ یہ ہے کہ ہماری قوم میں جو Energy اور قوت کار ہے وہ بروئے کار آئے گی۔ پھر یہ ملک اپنے پاؤں پر کھڑا ہوگا۔ اپنے ارادوں اور امنگوں کے ساتھ کھڑا ہوگا اور اپنے نظریات کی بنیاد پر کھڑا ہوگا ——— تو ایک بات تو مجھے یہ عرض کرنی تھی کہ یہ جو موضوع ہمارے ہاں پانچ چھ جمعوں سے چل رہا ہے اسکے متعلق یہ نہ سمجھئے کہ یہ صرف میرا مسئلہ ہے۔ یہ نہ سمجھئے کہ یہ تنظیم اسلامی کا مسئلہ ہے۔ یہ نہ سمجھئے کہ ہمارے ملک میں جو مذہبی طبقات ہیں یہ ان کا مسئلہ ہے۔ یہ دینی جماعتوں اور جمعیتوں کا مسئلہ ہے' نہیں بلکہ یہ ہمارے پورے ملک و وطن کا' ہماری پوری قوم و ملت کا مسئلہ ہے اور ان سب کی بقاء' سلامتی اور استحکام کا دار ومدار اس پر ہے کہ یہاں مثبت طور پر اور صحیح و مستحکم بنیادوں پر اسلام آئے۔ اسی میں اس ملک کے لئے عزت بھی ہے اور سربلندی بھی ورنہ جو کچھ نظر آرہا ہے وہ یہ ہے کہ یہ صرف Time Factor کی بات ہے۔ ہم جس خوابِ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور اسلام کے ساتھ وفاداری کے بجائے بیوفائی کا رویہ اختیار کئے ہوئے ہیں' اس کے نتیجے میں عذابِ الٰہی کا کوڑا ہماری پیٹھوں پر برسنا ہی چاہتا ہے اور ہوسکتا ہے کہ ہم ایک آزاد وخودمختار اسلامی ریاست کے شہری ہونے کی حیثیت سے نسیاً منسیاً ہوجائیں اور علامہ اقبال مرحوم کے اس مصرعے کے مصداق بن جائیں کہ ؎ تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں ۔

دوسری بات جو مجھے عرض کرنی ہے اس کی طرف میرا ذہن میاں طفیل محمد صاحب' امیر (کالعدم) جماعتِ اسلامی کے اس بیان[1] کے ایک حصّے کے مطالعے سے منتقل ہوا جو آج کے نوائے وقت میں بی بی سی کے حوالے سے شائع ہوا ہے۔ اس کا براہِ راست اس موضوع سے تعلق ہے جو پانچ چھ جمعوں سے یہاں بیان ہوتا چلا آرہا ہے۔ انہوں نے بیان کے اس حصّے میں دو باتیں کہی ہیں اور یہ دونوں باتیں میرے نزدیک تو جزوی

---

[1] نوائے وقت کی چودہ مئی کی اشاعت میں شائع شدہ میاں صاحب مدظلہ کے اس زیرِ گفتگو بیان کے الفاظ یہ ہیں۔ " مارشل لا کے ذریعے اسلام کا نفاذ ناممکن ہے بلکہ اسلامی نظام رائج کرنے کا کام ایک عوامی جماعت ہی سرانجام دے سکتی ہے"۔ (مرتب)

سچائیاں (Partial Truth) ہیں لیکن میں چاہوں گا کہ آپ ان کو مکمل سچائی کی حیثیت سے دیکھیں ـــــ پہلی بات انہوں نے یہ کہی ہے کہ" مارشل لاء کے ذریعے اسلام کا نفاذ ناممکن ہے"۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر ہم منصفانہ نظر سے جائزہ لیں کہ پانچ سال کے عرصے میں مارشل لاء کی حکومت نے کتنا کچھ اسلام یہاں نافذ کیا ہے تو ان کی بات رد نہیں کی جاسکتی ۔ یہ سچائی ہے، حقیقت ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ایوانِ حکومت سے اسلام کا نام اس عرصے میں جتنا لیا گیا ہے اگر آپ اس کا عددی حساب (Quantitative wise) سے تقابل کریں تو شاید آپ اس نتیجے پر پہنچیں کہ ان پانچ برسوں میں اسلام کا نام اتنا لیا گیا ہے کہ اس سے قبل کے تیس سالوں میں بھی شاید اتنا نہیں لیا گیا ہوگا۔ لیکن بالفعل کیا ہوا! کام کتنا ہوا ! اسلام کی طرف پیش رفت کتنی ہوئی ! تو نام لینے کے تناسب سے کام نہ ہونے کے برابر نظر آئے گا ۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ مارشل لاء کی حکومت کے ساتھ ہمیشہ ایک 'عارضی انتظام ' ہونے کا تصوّر رہتا ہے۔ چاہے وہ عارضی عرصہ کتنا ہی طویل ہوتا چلا جائے ۔ لیکن رہتا ہے عارضی ہی اور اس کے تحت جتنے اقدامات ہوتے ہیں ان کے متعلق بھی تصوّر یہی رہتا ہے کہ یہ عارضی ہیں ۔ واقعہ یہ ہے کہ مارشل لاء کے ذریعے سے جو کام ہو سکتے ہیں اور ہونے چاہئیں وہ یہ ہیں کہ ایڈمنسٹریشن کی تطہیر ہو۔ انتظامیہ کو فعال اور چوکس کیا جائے۔ سرکاری اثاثوں میں خرد بُرد کا قلع قمع کیا جائے ۔ کام چوری کی وبا ختم کی جائے۔ بددیانتی اور رشوت خوری کا انسداد کیا جائے۔ اس کا دیوالیہ نکالا جائے ۔فوج کا جو نظم (Discipline) ہوتا ہے اس کا ایک عکس مارشل لاء کی حکومت کے دور میں حکومت کے پورے انتظامی ڈھانچے میں نظر آنا چاہئے تھا۔ بدقسمتی سے اس پہلو سے بھی کوئی قابلِ ذکر کام نہیں ہوا بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ حکومت کے تمام محکموں میں بدنظمی، کام چوری ، رشوت خوری ، بددیانتی میں کمی واقع ہونے کے بجائے اضافہ ہی ہوا ہے[لہ]۔ یہ ایک ایسی بات ہے، جو تشویشناک ہے کہ یہ کام مارشل لاء کی حکومت میں ہو سکتا تھا ۔لیکن یہ بھی نہیں ہو رہا ۔ میں نے کوئٹہ میں نظمِ حکومت میں فوجی ڈسپلن کی ایک جھلک دیکھی ہے۔ وہاں بڑی حد تک مجھے انتظامیہ چاق و چوبند نظر آئی اور

لہ محترم چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور صدرِ پاکستان ایک ٹی وی تقریر میں لوگوں کا یہ خیال بیان فرما چکے ہیں کہ رشوت خوری اتنی بڑھ گئی ہے کہ جو کام پہلے پچاس روپے میں ہوتا تھا وہ اب پانچ سو روپے میں ہوتا ہے ۔ (مرتب)

لوگوں سے تبادلۂ خیال اور گفتگوؤں سے معلوم ہوا کہ وہاں خُرد بُرد، بددیانتی، رشوت خوری اور بدانتظامی کا بڑی حد تک قلع قمع ہو چکا ہے۔ سارے ملک کے مقابلے میں امن و امان کے لحاظ سے بلوچستان ایک مثالی صوبہ کہا جا سکتا ہے۔ اگر یہی کیفیت پورے پاکستان میں ہو جائے تو ملک کی انتظامیہ میں جو بہت سا گند جمع ہو گیا ہے جو چھوت کی بیماری کی طرح پورے معاشرے پر اثر انداز ہو رہا ہے اس کی صفائی تو ہو ـــــ نظریاتی طور پر دین کا معاملہ کوئی زبردستی اور اوپر سے ٹھونسنے والی چیز نہیں ہے۔ میں میاں طفیل محمد صاحب کی اس رائے سے مکمل اتفاق کرتا ہوں کہ مارشل لاء کے ذریعے اسلام کا نفاذ ناممکن ہے۔

اب آئیے محترم میاں صاحب کے بیان کے دوسرے حصے کی طرف وہ یہ کہ "اسلامی نظام رائج کرنے کا کام ایک عوامی جماعت ہی انجام دے سکتی ہے"۔ 'عوامی جماعت' کی اصطلاح میاں صاحب کی طرف سے پہلی مرتبہ استعمال ہوئی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر اس سے کوئی 'سیاسی جماعت' مراد ہے تو ہمارے ہاں سیاسی جماعتوں کا جو تیس برس کا میزانیۂ نفع و نقصان ہے وہ تو اس سے بھی زیادہ مایوس کن ہے۔ سیاست کے ذریعے سے اسلام کی کونسی خدمت یہاں آج تک ہو سکی ہے! پاکستان بننے کے بعد ہماری کوئی کامیابی (Achievement) اگر کوئی تھی تو وہ "قرارداد مقاصد" کی منظوری تھی، لیکن اس کی منظوری میں مسلم لیگ کی قیادت میں دیندار عناصر بالخصوص شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی مساعی کو بڑا دخل تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ باہر سے دینی جماعتوں، خاص طور پر جماعت اسلامی نے ان حضرات کو بہت تقویت پہنچائی تھی۔ جس سے ان حضرات کے دستور ساز اسمبلی میں ہاتھ مضبوط ہوئے۔ ساتھ ہی تحریک پاکستان کے نعرے 'پاکستان کا مطلب کیا ـــ لا الٰہ الا اللہ' کی صدائے بازگشت کے اثرات بھی بڑی حد تک باقی تھے۔ گویا ابھی وہ UMBRELLA موجود تھا جس کے تلے ہندوستانی مسلمان جمع ہوئے تھے۔ قرارداد مقاصد کی منظوری ان تمام عوامل کی مرہونِ منت ہے ـــــ اس کے بعد آج تک وہ کونسی مثبت کامیابی (Achievement) ہے جو سیاسی جماعتوں کے کھاتے میں بطور Credit جائے گی! ہاں ہمارے اس ملک میں اہل سیاست کے Credit میں کوئی چیز جا سکتی ہے تو وہ یہ ہے کہ انہوں نے دو مرتبہ تحریکیں اٹھا کر ڈکٹیٹرشپ

کو ختم کر دیا۔ یہ منفی کام ضرور کیا ہے۔ لیکن کوئی مثبت کامیابی یا پیش قدمی آج تک کہیں نظر نہیں آتی۔ میں آپ کے سامنے تفصیل سے عرض کر چکا ہوں کہ سیاسی جماعتوں کی اپنی مجبوریاں ہیں۔ ان کو اپنے لئے لوگوں سے ووٹ مانگنا ہے۔ لہٰذا وہ عوام کی پسند ناپسند کو اپنے سامنے رکھیں گی۔ وہ کہیں عوام پر تنقید نہیں کر سکتیں۔ وہ یہی کر سکتی ہیں اور کرتی رہی ہیں کہ برسر اقتدار پارٹی اور اس کے سربراہ کو ہدف بنائیں کہ ساری خرابیاں اس کی وجہ سے ہیں۔ اس کو ہٹاؤ بیڑا پار ہو جائے گا۔ وہ عوام کو کبھی نہیں کہہ سکتیں کہ تمہارے اندر دینی، اخلاقی، معاشرتی اور قومی اعتبارات سے یہ یہ خرابیاں ہیں، ان کو دور کرو۔ لہٰذا ہماری سیاسی پارٹیوں کا ریکارڈ ایسا نہیں ہے کہ جسے بطور مثال پیش کیا جاسکے اور نہ ہی ان کے طریق کار کے ذریعے اس ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کی توقع کی جاسکتی ہے ــــ ایک بات میں اور بھی عرض کر دوں، وہ یہ کہ عوامی سیاسی جماعت اس ملک میں مسلم لیگ کے زوال کے بعد اگر کوئی بنی ہے تو وہ صرف پیپلز پارٹی تھی۔ آج چاہے اس کا نام لینا مشکل ہے۔ اس کے لئے کوئی کلمۂ خیر آپ کہہ ہی نہیں سکتے۔ لیکن واقعہ تو واقعہ رہے گا کہ عوامی سطح پر اس نے سیاسی میدان کے بڑے بڑے جغادری سیاست دانوں کو اٹھا کر دے مارا۔ جیسے تحریک مسلم لیگ میں اگر اس کا ٹکٹ کسی کھمبے کے پاس ہو تو بھی اس کو ووٹ ملنے لازمی تھے اسی طرح اس پارٹی کا معاملہ بڑے پیمانے پر رہا۔ لہٰذا سوال یہ ہے کہ عوامی سطح پر آپ کوئی سیاسی تحریک اٹھا بھی لیں تو اس میں جو عوامی ذہنیت ہے وہ ہی منعکس (Reflect) ہو گی۔ عوام جس دینی واخلاقی سطح پر ہیں اسی کی ایک Reflection ہو جائے گی۔ عوام کے جو مشرکانہ، مبتدعانہ، مفاد پرستانہ عقائد واوہام اور اعمال ہیں ان ہی کی عکاسی ہو گی۔ اگر دودھ کے اندر زہر ہے تو اس کو بلونے سے جو مکھن نکلے گا وہ مسموم ہو گا۔ اس مکھن میں زہر موجود ہو گا اور زیادہ گاڑھا ہو گا۔ تو میں نے جو ابتداء میں اسے جزوی سچائی (Partial Truth) قرار دیا تھا تو میری اس بات کو میرے اس تجزیے سے جوڑ لیجئے ــــ میرے نزدیک اگر کوئی اصولی، اسلامی اور انقلابی جماعت ابھرے ــــ میرے 1
یہ تینوں الفاظ ذہن میں رکھئے جن پر میں اپنی پچھلی تقاریر میں تفصیلی گفتگو کر چکا ہوں ــــ یہ اصولی، اسلامی اور انقلابی جماعت اپنے طور پر پیہم جدوجہد کرے وہ دوسری جماعتوں کی بیساکھیوں کے سہارے اٹھنے کی کوشش نہ کرے بلکہ اس کی اپنی جڑیں مضبوط ہوں۔ اس کے

اپنے Ranks وسیع ہوں۔ اس کے اپنے Cadres معین ہوں۔ اور اس جماعت کے اندر Committed اور تربیت یافتہ کارکن اور سرد و گرم چشیدہ کارکن جنہوں نے قربانیاں دی ہوئی ہوں۔ جنہوں نے اپنے خلوص و اخلاص کے امتحانات پاس کئے ہوں، کثیر تعداد میں موجود ہوں تو اگر ایسی اصولی، اسلامی اور انقلابی جماعت عوامی سطح پر ابھرے اور عوام کے اذہان و قلوب کو اپنی دعوت سے مسخر (Possess) کر لے تو توقع کی جا سکتی ہے کہ یہ جماعت اس ملک میں اسلام لا سکتی ہے۔ ورنہ یہ کام نہ متحدہ محاذوں اور قومی اتحاد کے ذریعے ممکن ہے اور نہ ہی محض کسی عوامی سیاسی تحریک سے ـــ اس طور پر کام کرنے ہی کا راستہ اگر اختیار کیا گیا، جیسا کہ اب تک اختیار کیا جاتا رہا ہے تو اسلام کے آنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ ان طور طریقوں سے ظاہر بات ہے کہ وہی لوگ ابھر کر مسند اقتدار تک پہنچ سکیں گے جو عوام الناس کی موجودہ دینی و اخلاقی کیفیات کے آئینہ دار ہوں گے۔ کوئی بنیادی تبدیلی نہیں آ سکے گی۔ ہاں ایک انقلابی جماعت، ایک قیادت کے ساتھ انقلابی طریق (Revolutionary Process) کے ساتھ عوامی سطح پر ان کی تطہیر افکار اور تعمیر کردار کا کام کرتے ہوئے ابھرے تو پھر اسلامی نظام مستحکم و پائیدار بنیادوں پر قائم و نافذ ہو سکے گا۔ اسلامی انقلاب کے لئے ایک جماعت اور ایک قیادت کی شرط لازمی شرط ہے اگر کوئی تحریک مختلف الخیال و نظریات کے قائدین کے اتحاد سے اٹھے گی تو وہ کوئی مثبت اور کار آمد کام انجام دے ہی نہیں سکے گی۔ ایسے اتحاد کا فطری تقاضا ہوتا ہے کہ ہر جماعت کا قائد دوسری جماعت سے سبقت لے جانے اور اپنی جماعت کا IMAGE قائم کرنے کی طرف سب سے زیادہ کوشاں رہتا ہے۔ دوسروں کی ٹانگیں کھینچنا اس طریق کار کا منطقی اقتضاء ہوا کرتا ہے۔ لہٰذا اس ملک میں اسلام لانے کے لئے ضروری ہے کہ ایک اصولی، اسلامی اور انقلابی جماعت ابھرے اور وہ ان تمام مراحل سے گزرے جو کسی بھی انقلابی جدوجہد کے ناگزیر نشانات راہ ہوا کرتے ہیں۔ جن پر بڑی تفصیل سے میں ان اجتماعات میں گفتگو کر چکا ہوں۔ یعنی دعوت، تنظیم، تربیت، پھر Passive Resistance اور Active Resistance کی منازل و مراحل سے گزرے جس کے نتیجے میں اس کے پاس ایسے کارکن کثیر تعداد میں موجود ہوں جو اسلامی انقلاب کی خاطر اپنے قائد کے حکم پر اپنا تن، دھن، من سب کچھ نثار

اور جہاد کرنے کے لئے تیار ہوں۔ تو اسی طریق سے اس ملک میں اسلامی نظام کے قیام و نفاذ کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے ـــــ اور جیسا کہ میں عرض کر چکا کہ یہ ہمارے لئے کوئی جزوی یا عارضی نوع کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ ہمارے لئے تو یہ زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ ہمارے قومی تشخص کی بقاء ہے تو اس میں ہے۔ ہمارے ملک کی سالمیت اور بقاء ہے تو اس سے وابستہ ہے اور دینی اعتبار سے تو یہ معاملہ سب سے زیادہ اہم ہے ہی چونکہ یہ ہمارا دینی فریضہ بھی ہے۔ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ:

اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ
"کہ قائم کرو دین کو اور اس (کے حکم) کے بارے میں متفرق نہ ہو جاؤ"[1]

یہی حکم سورۃ الحج میں بایں الفاظ دیا گیا:

وَجَاهِدُوْا فِى اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰكُمْ
"اور (اے ایمان والو) اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کا حق ہے۔ اس (اللہ) نے تم کو (اس کام کے لئے) چن لیا ہے۔"

میں ان موضوعات پر منتخب نصاب کے دروس اور اپنی تقاریر میں تفصیل سے گفتگو کرتا رہا ہوں کہ جہاد فی اللہ یا جہاد فی سبیل اللہ، اللہ کی اطاعت کے لئے اپنے نفس سے شروع ہو کر قتال فی سبیل اللہ کے تمام مراحل کے لئے ہمارے دین کی ایک جامع ترین اصطلاح ہے۔

اس ضمن میں تیسرا شذرہ میں عرض کروں گا کہ میرے بارے میں اخبارات میں بعض بیانات میں کہا گیا ہے کہ ڈاکٹر اسرار امام خمینی صاحب کے انقلاب کی بڑی تائید کرتا ہے۔ اور پاکستان میں ایرانی انقلاب کی طرز کا انقلاب لانا چاہتا ہے۔ یہ باتیں یقیناً ذہنوں میں سوالات و اشکالات پیدا کرنے کا باعث ہوئی ہیں اور اپنے کچھ اثرات چھوڑ جاتی ہیں۔ لہٰذا بعض احباب نے تحریری سوالات کے ذریعے اس بارے میں مجھ سے وضاحت چاہی ہے۔ میں نے یقیناً

---

[1] اس موضوع پر مدلل و مفصل بحث کی تفہیم کے لئے ڈاکٹر صاحب کی تالیف "مطالبات دین" کا مطالعہ ان شاء اللہ مفید ہوگا۔ (مرتب)

اس اعتبار سے ایران کے انقلاب کا بار بار ذکر کیا ہے کہ وہ واقعتاً ایک انقلاب ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ انقلاب کے جو ingredients ہوتے ہیں، وہ سب کے سب اس میں موجود ہیں۔ باقی اس سے زیادہ میں نے نہ اس کی تائید کی ہے اور نہ اس پر تنقید کی ہے۔ اکثر و بیشتر میں نے یہ کہہ کر پہلو بچایا ہے کہ ہم وہاں کے صحیح حالات سے عام طور پر واقف نہیں ہیں اور میں خاص طور پر واقف نہیں ہوں۔ اغلباً میں یہ بات پہلے بھی کسی تقریر میں عرض کر چکا ہوں کہ جو خبریں مغربی ذرائع ابلاغ کے توسط سے آتی ہیں، وہ ایک خاص رنگ میں ہوتی ہیں۔ جو حضرات اس انقلاب کے حامی ہیں ان کی باتیں اس کے بالکل برعکس ہوتی ہیں۔ وہاں سے آنے والے کوئی ایک داستان سناتے ہیں تو دوسرے کوئی دوسری داستان سناتے ہیں۔ ہم ان میں سے کسی کی تکذیب بھی نہیں کر سکتے۔ چونکہ اس بات کا غالب امکان موجود ہے کہ کسی کا مشاہدہ کچھ اور رہے تو کسی کا مشاہدہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ ہمارے معاشرے کے مختلف انواع و معیارات کے لوگ وہاں گئے ہیں۔ کسی کا کسی خاص طبقے اور خاص معاملات سے سابقہ پیش آیا ہے تو وہ اس تجربے اور مشاہدے کے مطابق اپنے تاثرات بیان کرے گا۔ کسی کا اس سے برعکس طبقے اور حالات سے واسطہ پڑا ہے تو وہ اس کے مطابق اپنے تجربات و مشاہدات اور تاثرات بیان کرے گا۔ لہٰذا اتنی مختلف اور متضاد خبریں، مشاہدات، تجربات اور تاثرات سامنے آتے رہتے ہیں کہ وہاں کے حالات کے بارے میں کوئی یقینی رائے قائم کرنا بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔ البتہ آج میں ایک بات آپ سے کہہ رہا ہوں وہ بھی اس لئے کہ پاکستان اور ایران کے حالات کا تقابل کیا جا سکے اس سے ہمیں اپنے اصل مسئلے کو سمجھنے میں بڑی مدد ملے گی۔ اگر ہم تجزیہ اور تقابل (Analysis and campare) کریں کہ یہ جو عجیب و غریب واقعہ اور مظہر (Phenomenon) وہاں ہوا اور جو کچھ تحریک نظام مصطفٰےؐ کے نتیجے میں ہمارے ہاں ہوا اس میں فرق کیا ہے ـــــ! میرے تجزیے اور غور و فکر کا حاصل یہ ہے کہ ہمارے ہاں کی نظام مصطفٰےؐ کی تحریک اور وہاں کی اسلامی انقلاب کی تحریک بڑی حد تک بہت مشابہ اور بہت متوازی (Parallel) تحریکیں تھیں۔ ویسے تاریخی اعتبار سے بھی دونوں تحریکیں تقریباً ایک ہی وقت میں اٹھیں۔ تقریباً ایک سے مراحل سے گزریں۔ تقریباً کامیابی کی منزل تک بھی پہنچیں۔ اگرچہ یہاں تک پہنچکر نتائج کے اعتبار سے ان میں عظیم فرق واقع ہو گیا ـــــ یہ فرق کیوں واقع ہوا! یہ بات میں آج کی گفتگو میں قدرے وضاحت سے عرض کرتا ہوں کہ ہمارے ہاں کیا چیز Lack کر رہی تھی

کس چیز کی ہمارے ہاں کمی تھی اور کس چیز کا فقدان تھا کہ منزل تک پہنچ کر نتائج ایک سے نہیں نکلے ــــ! دیکھئے اصل اور حقیقی بات یہ تھی کہ ہمارے ہاں جو تحریک اٹھی تھی اصلاً وہ نظامِ مصطفیٰ کی تحریک نہیں تھی۔ کم از کم پانچ برس کے بعد ہمیں ٹھنڈے دل سے حقائق کا مواجہہ اور ادراک و شعور کے قابل ہو جانا چاہئیے۔ صحیح اور حقیقی بات یہ تھی کہ یہ بھٹو کے خلاف تحریک (Anti Bhutto Movement) تھی۔ ایک جابر، ظالم اور مستبد حکمران کے خلاف ایک عوامی ردِّعمل تھا۔ بالکل اسی طرح ایران میں اینٹی شاہ موومنٹ تھی۔ نہ اصلاً یہ نظامِ مصطفیٰ کی تحریک تھی نہ وہ اسلامی تحریک تھی۔ وہاں بھی جابر، ظالم اور مستبد حکمران، یہاں بھی یہی کیفیت۔ لہٰذا دونوں کے خلاف ردِّعمل بھی یکساں۔ یہی وجہ ہے کہ دونوں ملکوں میں ابتداً جو تحریک اٹھی ہے ان میں رائٹسٹ بھی تھے اور لیفٹسٹ بھی۔ مذہبی ذہن کے لوگ بھی تھے اور سیکولر (Secular) ذہن کے بھی۔ مذہبی ذہن کے لوگوں میں تجدد اور اباحیت پسند (Modernists) بھی تھے اور پکے قدامت پسند (Orthodox) لوگ بھی۔ دونوں ملکوں کی تحریکوں میں ان اعتبارات سے کوئی فرق نہیں تھا۔ وہاں ایران کی تحریک میں تودہ پارٹی بھی شامل تھی، وہاں کی کمیونسٹ نظریات کی حامل قدیم پارٹی۔ اور یہاں پاکستان میں بھی نیپ ہو، پی ڈی پی ہو یا دوسرے سوشلسٹ نظریات رکھنے والی پارٹیاں ہوں یا انفرادی حیثیت رکھنے والے اشخاص ہوں۔ لبرل اور اور تھوڈیکس نظریات رکھنے والے اشخاص یا پارٹیاں ہوں وہ سب اس تحریک میں شامل تھے۔ گویا تمام نظریات و خیالات (Shade of Opinion) رکھنے والے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے۔ یہ دونوں باتیں بالکل متوازی (Parallel) چل رہی تھیں۔ تیسری بات جب ایسی تحریکیں ہنگامی اور عوامی دور میں داخل ہوتی ہیں تو مسلمان ممالک میں یہ قدرِ مشترک ہے کہ پھر وہاں دین و مذہب کا نام لئے بغیر چارۂ کار نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ جب قربانیاں دینے کا وقت آتا ہے تو دین و مذہب ہی کے نام پر قربانی دی جا سکتی ہے۔ جمہوریت کے نام پر سینے پر گولیاں کھانے والے ابھی تک نہ یہاں ہیں نہ وہاں ہیں ــــ گریبان کھول کر جب انسان گولی کھاتا ہے تو مذہب کے نام پر کھاتا ہے۔ لہٰذا جب دونوں جگہوں پر تحریکیں عروج (Climax) کی منزل کے قریب پہنچیں تو مذہب کی اپیل اور اس کا نام یہاں بھی نمایاں ہوا اور وہاں بھی ــــ چوتھی بات یہ کہ جب مذہب کا نام تحریک میں نمایاں طور پر شامل ہوا تو جو قدرِ مشترک تھی وہ یہ کہ ایسی صورت میں تحریک کی قیادت بھی لازماً مذہبی

شخصیت کے ہاتھ میں آئی۔ یہاں بڑے بڑے جغادری اور سیاست کے میدان کے پرانے کھلاڑی موجود تھے۔ ایر مارشل (ریٹائرڈ) اصغر خاں تھے، خان عبد الولی خاں تھے، نوابزادہ نصر اللہ خاں تھے اور بھی بہت سے لوگ تھے جو سیاسی داؤ پیچ خوب جانتے تھے۔ لیکن یہاں قیادت کس کے ہاتھ آئی! مولانا مفتی محمود مرحوم و مغفور کے ہاتھ میں۔ اس لئے کہ جب دین و مذہب کا نام لینا ہے اور اس کو نمایاں کرنا ہے تو ظاہر بات ہے کہ اس تحریک کا قائد کوئی مذہبی شخصیت کو ہونا چاہیئے۔ وہاں ایران میں حالانکہ بڑے بڑے آزمودہ اور قابل سیاستدان موجود تھے۔ لیکن جب دین و مذہب کی اپیل تحریک میں نمایاں ہوئی تو وہاں کی قیادت امام خمینی کے ہاتھ میں آئی۔ حالانکہ وہ اس وقت ایران میں موجود بھی نہیں تھے ــــــ یہ چار نکات (Points) وہ ہیں جو دونوں تحریکوں میں مشترک تھے اور ان میں کوئی فرق نہیں تھا بلکہ اگر آپ چاہیں تو ایک پانچواں نکتہ بھی شامل کرلیں۔ اگرچہ بہت سے اشخاص کے لئے یہ بات ایسی ہی ہوگی جیسے کوئی پرانی بھولی بسری یاد تازہ ہو رہی ہو ــــــ دونوں ڈکٹیٹرز (بھٹو اور رضا شاہ) یہ کہتے ہوئے گئے کہ ہمیں امریکہ نے مروادیا۔ شاہ کے بہت سے بیانات اور بیانات آپ نے پڑھے ہوں گے اور بھٹو کے بیانات بھی آپ کو یاد آگئے ہوں گے کہ دونوں نے اپنے زوال کا ذمہ دار امریکہ کو ٹھہرایا ــــــ اس لئے کہ وہاں جو ڈیموکریٹ پارٹی برسر اقتدار تھی ان کا مذہب 'جمہوریت' ہے۔ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلیجئے۔ جس طرح مذہبی ذہن رکھنے والوں کو اپنے دین و مذہب سے شیفتگی، تعلقِ خاطر اور لگاؤ ہوتا ہے، اسی طرح امریکہ کے ڈیموکریٹس کو جمہوریت سے بطور مذہب لگاؤ ہے۔ جس طرح مذہبی لوگ مذہب کے نام پر اپنے مفادات کو بھول جایا کرتے ہیں اسی طرح جب جمہوریت کا مسئلہ آتا ہے تو امریکہ کے جمہوریت پرست اپنے مفادات کو بھی ایک طرف رکھ دیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ خود ہمیں ماضی میں بہت سے نقصانات اٹھانے پڑے۔ وہاں ری پبلکن پارٹی کے ہٹ جانے اور ڈیموکریٹ پارٹی کے برسر اقتدار آنے کے بعد معاملہ برعکس ہوگیا اور Reverse Gear لگ گیا۔ انہوں نے ہمارے مقابلے میں بھارت کو اہمیت دی۔ چونکہ اس وقت ایوب خاں صاحب جمہوریت کشی کے بعد مسندِ اقتدار پر فائز تھے۔ اس وقت امریکہ نے بھارت کو اس علاقے کے لئے منی سپر پاور (Mini Super Power) کی حیثیت سے تسلیم کیا اور اس کی دوستی اور ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے

اس کو بے تحاشہ نوازنا شروع کیا۔ پاکستان پر دباؤ ڈالا کہ وہ بھی اس بات کو تسلیم کر کے خود کو بھارت کے تابع کرے ـــــ یہ زمین و آسمان کا فرق کیوں واقع ہوا! اس لئے کہ بھارت میں انہیں جمہوریت نظر آئی۔ اس اعتبار سے بھارت کو انہوں نے اپنا ہم مذہب کا مقام دیا اس لئے کہ خود ان کا اپنا اصل مذہب جمہوریت ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پاکستان اور ایران کی ان تحریکوں کو امریکہ کی طرف سے اخلاقی تائید اور مدد (Support) ملی۔ سیاسیات پر گہری نظر رکھنے والا ہر شخص اس بات کو تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔ رہا یہ معاملہ کہ مالی امداد بھی ملی یا نہیں، ملی تو کس کو ملی، یہ بات کوئی بھی یقین سے نہیں کہہ سکتا۔ یہ محض ہوائی بھی ہو سکتی ہے اس نکتے کو بھی آپ شامل کریں تو یہ پانچ چیزیں اور نکات ہیں جو ان دونوں، یہاں کی نظام مصطفٰےؐ اور وہاں کی اسلامی انقلاب کی تحریکوں میں قدرِ مشترک کے طور پر شامل رہے ہیں ان میں کوئی فرق نہیں۔

اب یہ سمجھئے کہ فرق کہاں واقع ہوا ـــــ! میں نے ابتداء ہی میں عرض کر دیا تھا کہ آج میری تقریر شذرات کی نوعیت کی ہے، کوئی مربوط تقریر تو ہے نہیں ـــــ فرق یہاں پیش آیا کہ ایران میں جو شیعہ مذہبی نظام ہے اس کی Hierarchy بڑی مضبوط اور معین ہے۔ ان کے ہاں مذہبی طور پر مجتہدین اور علماء کی درجہ بندی مقرر ہے اور تمام دینی عناصر و طبقے باہم دگر مربوط و منظم ہیں۔ لہٰذا وہاں کی پوری مذہبی قیادت ایک شخص واحد میں مجسم و متشکل اور مرتکز ہو گئی تھی۔ تمام مذہبی عناصر اور عوام کی عظیم ترین اکثریت کو اس شخص واحد پر مکمل اعتماد (Faith) بلکہ اندھا اور عقیدتمندانہ تعلق خاطر تھا اس شخص کو انہوں نے اپنے "امام" کے طور پر تسلیم اور قبول کر لیا تھا۔ اس کے ایک اشارے پر وہ ہر قسم کے ایثار و قربانی کے لئے تیار تھے اور اس پر آخرت میں اجر ملنے کا یقین رکھتے تھے چنانچہ قوم کی عظیم ترین اکثریت نے عملی طور پر یہ فدایانہ کردار ادا کیا۔ نتیجۃً وہاں سے شاہ رضا پہلوی کو فرار ہونا پڑا۔ جس سے زیادہ مضبوط شہنشاہیت کی اس دور میں مثال ممکن نہیں۔ اور انقلاب آیا اور اس شان سے آیا کہ پوری دنیا کو ایک مرتبہ ہلا کر اور چونکا کر رکھ دیا۔ انقلاب فرانس اور انقلاب روس کی یادیں دنیا میں ایک بار پھر تازہ ہو گئیں۔ ملک کی زمام کار اسی مذہبی شخصیت کے ہاتھ میں آ گئی جن کا نام امام خمینی ہے ـــــ اب اپنے ہاں کا جائزہ لیجئے۔

یہاں پاکستان قومی اتحاد میں کم سے کم پانچ دینی جماعتیں تھیں۔ تین تو ان میں سے اثر و رسوخ اور تنظیم کے لحاظ سے وسیع اور اہم ترین تھیں۔ دو وہ بھی تھیں جو ان اعتبارات سے ان کے پلڑے کی تو نہیں تھیں، لیکن بہرحال تھیں دینی جماعتیں۔ اوّل الذکر تین جماعتوں میں، جماعت اسلامی۔ جمعیۃ علمائے اسلام اور جمعیۃ علمائے پاکستان تھیں اور آخر الذکر دو جماعتوں، میں جمعیۃ اہل حدیث اور خاکسار تحریک۔ اس طرح یہ پانچ دینی جماعتیں تھیں۔ بقیہ چار جماعتیں خالص سیاسی جماعتیں تھیں ــــ لیکن ان سب کا حال یہ تھا کہ عین تحریک کے دور میں بھی ایک دوسرے کی ٹانگیں گھسیٹی جا رہی تھیں اور ہر ایک کی کوشش تھی کہ اس کا عوام میں زیادہ سے زیادہ مضبوط اور مؤثر IMAGE قائم ہو۔ حد یہ تھی کہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے کے لئے تیار نہ تھیں۔ یہ باتیں چھپی ڈھکی نہیں ہیں۔ اخبارات و رسائل میں ان پر بڑے دردمندانہ انداز میں تفصیلی مضامین اور بیانات آچکے ہیں۔ یہ فرق ہے جس سے ایران کی تحریک اور ہماری تحریک میں نتیجے کے اعتبار سے زمین و آسمان کا فرق واقع ہو گیا۔ وہاں ایران میں انقلاب تکمیل تک پہنچا اور جیسا کہ میں نے عرض کیا، اس نے پوری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا ع لڑا دے ممولے کو شہباز سے ــــ اس کا عملی مظاہرہ وہاں ہوا۔ ہمارے ایرانی بھائی امریکہ جیسی سپر پاور سے بھڑ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی مدد کی ہے امریکی یرغمالیوں کی رہائی کے لئے امریکہ جیسی زبردست ٹیکنیک کی ماہر طاقت کی یلغار ناکام ہو گئی اس واقعہ پر ہمارے ایرانی بھائیوں نے سورۃ الفیل کا انطباق (Apply) کیا تو غلط نہیں کیا: اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝ واقعہ یہ ہے کہ نقشہ وہی ہے۔ امریکہ کے اپنے جہاز ایک دوسرے سے ٹکرا کر تباہ ہوئے ہیں۔ ان کی یہ ہوائی یلغار (Operation) ناکام ہو گئی۔ وہ ٹیکنالوجی جو چاند پر جا کر فیل نہیں ہوتی۔ جو مریخ تک پہنچ کر فیل نہیں ہوتی اسی سرزمین پر بیٹھ کر وہ چاند اور مریخ کو بھیجے والے راکٹوں، کیمروں اور دیگر انتظامات کو کنٹرول کرتے ہیں، وہ ہی ٹیکنالوجی اسی روئے زمین کے معاملے میں فیل ہو جاتی ہے اور کیسی فیل ہوتی ہے کہ ساری دنیا میں امریکہ کی ساکھ کو زبردست دھچکا لگتا ہے ــــ تو یہ سب کچھ وہاں ہوا ہے۔ باقی رہا اس انقلاب کی کامیابی کے بعد وہاں کی داخلی صورت حال کا معاملہ! تو میں اسے زیر بحث نہیں لانا چاہتا چونکہ اس کے متعلق ہمارے پاس یا کم از کم میرے پاس کوئی معتبر اطلاعات موجود نہیں ہیں۔ نیز یہ کہ آگے

کیا کچھ ہوگا۔ اس کے متعلق بھی میں یہ کہہ کر قیاس آرائی سے اجتناب کرتا ہوں کہ واللہ اعلم قیاس کے لئے جو معلومات (Data) درکار ہوتی ہیں وہ میرے پاس موجود نہیں ـــــ میری اس گفتگو اور تجزیے کا حاصل یہ ہے کہ اب تک وہاں جو کچھ ہوا ہے نتیجہ کے اعتبار سے ہمارے ملک کی تحریک اور وہاں کی تحریک میں جو زمین و آسمان کا فرق واقع ہوا اس کا اصل سبب (cause) معین کریں تو وہ میرے نزدیک صرف ایک ہے۔ وہاں تنظیم تھی اور اس کی قیادت ایک شخصِ واحد کے ہاتھ میں تھی۔ یہاں ایک 'تنظیم' نہیں تھی بلکہ نو جماعتوں کا 'اتحاد' تھا۔ لیڈروں کا ایک بہت بڑا گروپ تھا اور اگر برا نہ مانیں تو حقیقت یہ ہے کہ اس گروپ پر قرآن حکیم کا یہ تبصرہ صد فی صد صادق آتا ہے کہ: تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَّقُلُوبُهُمْ شَتّٰى۔ "تم سمجھتے ہو کہ وہ جمع ہیں حالانکہ ان کے دل پھٹے ہوئے ہیں"ـــــ بعد میں ظاہر ہو گیا کہ کتنے کچھ پھٹے ہوئے تھے۔ یہ بات زیادہ دیر تک چھپی نہیں رہی، آشکارا ہو کر رہی۔

تو آج کی گفتگو کا یہ شذرہ میری اسی سلسلہ تقریر سے متعلق ہے جو چند جمعوں سے مسلسل ہو رہی ہے۔ جس کے ضمن میں مجھے آج گفتگو کرنی تھی۔ آج کی ان باتوں کو آئندہ جمعہ کی تقریر کی ایک طرح کی تمہید سمجھ لیجئے اور ان تین باتوں کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے جو میں نے اب تک عرض کی ہیں پہلی بات یہ کہ ہمارے یہاں اسلام کا نفاذ صرف دینی و مذہبی مسئلہ نہیں ہے بلکہ ملک و ملت کی سالمیت و بقا کا مسئلہ ہے۔ ہمارے پاس اسلام کے سوا کوئی دوسرا option نہیں ہے۔ ناچار مسلمان شو والا معاملہ ہے۔ پاکستان کے باوقار اور باعزت استحکام و بقاء کا کوئی اور سہارا نہیں ہے سوائے اسلام کے۔ دوسری بات یہ کہ یہاں اسلام نہ مارشل لاء کی گورنمنٹ لا سکتی ہے۔ اس بے چاری حکومت نے تو سرکاری دفتروں میں ظہر کی نماز تمام کارکنوں سے پڑھوانی چاہی تھی۔ اس کا جو حشر ہوا وہ آپ کو معلوم ہے۔ ظہر کی نماز دفتروں میں شروع ضرور ہوئی تھی۔ لیکن رفتہ رفتہ وہی نمازی رہ گئے جو پہلے سے نماز کا اہتمام کیا کرتے تھے چند کا اضافہ ہوا ہو تو کوئی قابلِ ذکر بات نہیں۔ نہ ہی کوئی عوامی سیاسی قسم کی تحریک یہاں اسلام لا سکتی ہے۔ اس بات کو ذہن سے نکال دیجئے۔ ہمارے سیاستدانوں کا جو تیس سال کا نامۂ اعمال ہے وہ اس سے بھی زیادہ مایوس کن ہے۔ واحد راستہ یہی ہے کہ ایک انقلابی طرز کی جدوجہد ہو۔ اور وہ اپنی پیہم محنت و کوشش سے ایک عوامی شکل

اختیار کرے۔ اس کے لئے جو اصل اور اہم ترین چیز ہے وہ ہے تنظیم۔ ایک قیادت کے تحت منظم جماعت۔ اس تنظیم کے Cadres ہوں۔ اس میں کثیر التعداد وہ کارکن ہوں، جنہوں نے امکانی حد تک خود اپنی انفرادی زندگی کے دائرے میں اسلام نافذ کر رکھا ہو۔ ان کی درجہ بندی ہو۔ ان کے Ranks ہوں۔ یہ بات معیّن ہو کہ ایک کے ہٹنے کے بعد کون آگے آئے گا۔ ایک جماعتی اور تنظیمی ڈھانچہ مکمل ہو۔ اور اس جماعت و تنظیم کی قیادت ـــــ میں یہاں ایک لفظ جان بوجھ کر اور علیٰ وجہ البصیرت استعمال کر رہا ہوں شخصی قیادت ہو ـــــ انقلاب کبھی بھی اجتماعی (Collective) قیادت کے تحت نہیں آئے گا ـــــ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ کا اصول ضرور کار فرما رہے گا۔ لیکن فیصلے کا اختیار اس تحریک کے قائد کے ہاتھ میں رہے گا۔ اس کے لئے بھی قرآن حکیم نے یہ اصول طے کر دیا ہے کہ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ـــــ مجھے تاریخ سے ایک مثال بتا دیں جہاں انقلاب اجتماعی (Collective) قیادت کے ذریعے آیا ہو۔ انقلاب تو بہت بڑی بات ہے۔ کوئی بڑی تبدیلی لانی ہو یا کوئی بڑی مہم سر کرنا ہو تو بھی اجتماعی قیادت کے ذریعے ممکن نہیں ہے۔ ہرگز پاکستان نہیں بن سکتا تھا اگر قائداعظم کی شخصیت میں شخصی قیادت مرتکز نہ ہو گئی ہوتی۔ ناممکن تھا۔ بہت سے لوگ قائداعظم پر اعتراض کرتے ہیں کہ ان کا رویہ بڑا ڈکٹیٹرانہ تھا۔ آمرانہ انداز تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ لیکن اگر یہ نہ ہوتا تو پاکستان نہ بنتا۔ آپ مجلسیں کرتے رہتے، سوچتے رہتے Debate ہی کرتے رہتے۔ یہ طے کرنے میں وقت لگاتے اور ایک دوسرے سے الجھتے رہتے کہ کس جماعت کو کتنی سیٹیں اور کون کون سے حلقوں سے ملیں گی ـــــ پھر مشورے دن ہی میں وقت لگاتے رہیے۔ اس طرح جو بہترین مواقع ہوتے ہیں، وہ ہاتھ سے نکل جایا کرتے ہیں۔ موقعہ کسی کا انتظار نہیں کیا کرتا۔ آپ کا تبادلہ خیالات ہی جاری ہے اور موقعہ ہاتھ سے نکلا جا رہا ہوتا ہے۔ میں اسے انقلاب نہیں کہتا۔ لیکن بہرحال تحریک پاکستان ایک بہت بڑی Achievement تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں تو اس نوع کی تحریک کے لئے بھی ایک شخصی قیادت لازم و لابد ہوتی ہے۔ جیسا کہ میں نے آج عرض کیا ہے، شاید وہ بات بہت سوں کو پسند نہ آئی ہو۔ لیکن واقعہ تو واقعہ ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عوامی سطح پر بھٹو نے ایک بہت بڑا کارنامہ کر کے دکھایا تھا۔ اس نے یہاں کھلنا بورڈ جیسی جگہ پر کئی کئی لاکھ لوگ جمع کر لئے تھے۔ تحریک پاکستان کے بعد

آپ کو ایسی کوئی مثال پاکستان میں تو نہیں مل سکتی۔ وہاں بھی شخصی قیادت کا معاملہ تھا۔ اجتماعی (collective) قیادت نہیں تھی۔ پارٹی میں اس کی حیثیت مطلقاً ڈکٹیٹرانہ تھی۔ اس کی یہ خُو بُو سے اس کے دورِ اقتدار میں نظر آتی ہے۔ اور وہاں ایران میں جو معاملہ ہوا ہے اور جس درجے میں بھی ہوا ہے۔ اس میں بھی جو شخصی قیادت تھی' وہی فیصلہ کن تھی اور تاحال ہے۔ تو آج اس مسئلہ کو یہیں تک رکھیے۔ مجھے آج جس مسئلہ پر گفتگو کرنی تھی کہ مطلوبہ تنظیم کا ڈھانچہ کیسے بنے۔ کس نہج پر بنے اس پر تفصیل سے ان شاء اللہ اگلے جمعہ کو گفتگو ہوگی۔

مجھے اس وقت چند باتیں اور عرض کرنی ہیں اور وہ خواتین کے اس مسئلے سے متعلق ہیں جو چھڑ گیا تھا۔ میں اسے بند کرنا چاہتا ہوں لیکن وہ اب بند نہیں ہو رہا اور میں مجبوراً اس ضمن میں کچھ باتیں اس وقت عرض کر رہا ہوں۔ اس ضمن میں ایک بات بہت اچھی ہوئی ہے۔ بہت ہی اچھی ہوئی ہے اور یہ ٹھنڈی ہوا ابھی بلوچستان سے آئی ہے۔ ہمارے صدر محترم نے وہاں گرلز گائیڈ ریلی میں برملا یہ بات کہی ہے کہ "ہمارا آزادیٔ نسواں کا تصوّر یقیناً وہ نہیں ہے جو مغرب کا آزادیٔ نسواں کا تصوّر ہے۔ صدر صاحب کی طرف سے یہ بات پہلی مرتبہ کہی گئی ہے۔ ورنہ ان کی طرف جو الفاظ اخبارات میں منسوب ہوتے رہے ہیں وہ "شانہ بشانہ" کے الفاظ ہیں۔ میں ان کے بلوچستان والے اظہار خیال پر ان کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اب میرا ان سے یہ تقاضا ہے کہ وہ بات کو اس طرح مبہم نہ رہنے دیں۔ بلکہ تفصیل سے بتائیں کہ ہمارا تصوّر کیا ہے اور مغرب کا تصوّر کیا ہے! انہوں نے یہ تو بتا دیا کہ وہ 'اور' ہے۔ گویا ہمارے اور مغرب کے تصوّرِ آزادیٔ نسواں میں فرق ہے وہ اور" نیز وہ فرق ہے کیا" اس کو واضح کیجئے۔ آپ کے پاس سارے ذرائع و وسائل موجود ہیں۔ آپ کے پاس 'اسلامی نظریاتی کونسل' موجود ہے' جس میں بڑے اصحابِ علم و فضل موجود ہیں۔ آپ ان کو کیوں نہیں یہ Assignment دیتے اور کیوں ان کو یہ ذمہ داری تفویض نہیں کرتے کہ وہ معیّن کریں کہ اسلام میں عورت کا اصل مقام اور دائرہ کار کیا ہے! اس کے لئے اسلام نے گھر سے باہر کے لئے کیا حدود و قیود مقرر کر رکھی ہیں۔ ٹھیک ہے میں اپنے لئے یہ اختیار نہیں مانگتا میں تو قرآن حکیم اور سنّت رسول علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا ایک معمولی طالب علم ہوں۔ میں نے اسلام کے ان ماخذ کو

سے جو کچھ سمجھا ہے اسے بیان کیا ہے اور بیان کرتا رہوں گا۔ لیکن بہر حال آپ کے پاس Islamic Idealogy Council موجود ہے۔ خود آپ کی نامزد کردہ ہے۔ وہ آخر کس لئے ہے! میں نے یہ بات بار بار کہی ہے اور اب بھی کوئٹہ میں بلوچستان کے اعلیٰ سطح کے سرکاری اجتماع میں کہہ کر آیا ہوں کہ اسلام کو پاکستان میں لانے کا معاملہ دو سطحوں سے متعلق ہے۔ ایک سطح ہے انفرادی زندگیوں میں اسلام کا لانا۔ اس دائرے میں اسلام زبردستی' نہیں آسکتا۔ آپ لوگوں کو بالجبر نماز کا پابند نہیں بنا سکتے۔ اس کے لئے تو ذرائع ابلاغ کو' نصاب اور نظام تعلیم کو Gear up کیجئے۔ لوگوں کے ذہن و فکر کے رُخ کو بدلنے کی تدبیریں کیجئے اس کے لئے پوری قوت ارادی کیساتھ کوششیں (Determined Efforts) ہوں۔ منصوبہ بندی کے ادراک (Sense of Direction) کے ساتھ ہوں تو انفرادی زندگیوں میں تو اسلام اس طور سے صحیح طور پر آئے گا۔ وہ محض قانون نافذ کرنے سے نہیں ہوگا — ٹھیک ہے آپ احترام رمضان کا آرڈیننس جاری کر سکتے ہیں۔ بہت اچھا ہے' یہ ہونا چاہئے لیکن آپ کسی شخص سے زبردستی روزہ نہیں رکھوا سکتے۔ وہ تو اگر اس کے اندر سے تحریک ابھرے گی تو وہ روزہ رکھے گا۔ چاہے وہ جون' جولائی کا روزہ ہو' وہ رکھے گا۔ البتہ جن قوانین کی تنفیذ آپ کر سکتے ہیں تو اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اسلامی قانون کی تنفیذ کی پہلی سطح گھریلو زندگی کا دائرہ ہے۔ اس مسئلہ کی افہام و تفہیم کے لئے کوئی شخص مجھ سے بحث و مباحثہ (Debate) کرنا چاہے تو میں اس کیلئے کھلے دل سے آمادہ ہوں۔ ہر وقت اور ہر سطح پر یہ کام کرنے کے لئے حاضر اور تیار ہوں — اجتماعیت اور معاشرے کی سطح ایک مرد اور ایک عورت کے رشتۂ ازدواج سے شروع ہوتی ہے۔ یہاں سے اجتماعیت کی گاڑی رواں ہوئی۔ اس سے پہلے انفرادیت ہے۔ اگر ہم اس دائرے میں اسلام کو نافذ نہیں کر سکتے۔ اگر اس نظام کو اسلام کے تابع نہیں لا سکتے تو میں کہوں گا کہ اسلام کے حق میں جو بات کہی جائے گی' وہ منافقت سمجھی جائے گی اور جو ایسا سمجھے تو آپ اسکو Blame نہیں کر سکیں گے۔ لہٰذا گھریلو سطح پر سب سے پہلے اسلام کو لائیے۔ چلئے میری بات نہ مانیئے۔ ملک میں علماء اور اہل فضل و تقویٰ موجود ہیں۔ ان سے معلومات حاصل کیجئے۔ اسلامی نظریاتی کونسل موجود ہے۔ جس میں قابل اعتماد اہل علم و فضل موجود ہیں۔ ان کو یہ Assignment دیجئے۔ معروضی (Objectively) طور پر وہ متعین کریں'

اسلامی معاشرے میں عورت کا کیا رول (Role) ہے! اس کا سیاست میں کتنا دخل ہونا چاہیئے! ملک کے انتظامی امور میں اس کا کتنا حصہ ہونا چاہیئے! ملک کی معیشت میں اس کا کیا Contribution ہونا چاہیئے! اسلامی سوسائٹی میں اس کا اصلاً اور اوّلین (Primary) کردار کیا ہے! ستر و حجاب کے احکام اسلام میں ہیں یا نہیں ہیں! گھر سے باہر نکلنے کی صورت میں کچھ حدود و قیود مقرر ہیں یا نہیں ہیں! اس صورت میں چہرہ چھپانا لازم ہے کہ نہیں ہے! نکاح وطلاق کے قوانین ہیں کہ نہیں ہیں! اگر شریعت کسی شخص کو نکاح ثانی کا اختیار دیتی ہے تو آپ کون ہوتے ہیں اس پر قدغن لگانے والے! ــــ فطرت انسانی کو جاننے والا اللہ ہے جس نے اس کو بنایا ہے یا آپ ہیں! اللہ نے مَثْنٰی، ثُلٰثَ اور رُبٰعَ کی اجازت قرآن میں آخر کیوں دی ہے؟ اس کی حکمتوں کو جاننے والا وہ فاطر کائنات ہے یا آپ ہیں؟ ــــ میں نے جب صدر صاحب سے وفاقی کونسل (مجلس شوریٰ) سے اپنے استعفاء کے بارے میں ملاقات کی تھی تو اسی موقع پر میں نے ان سے عرض کیا تھا کہ موجودہ دور میں ہر شخص کے لئے کیسے ممکن ہے کہ وہ ایک سے زاید شادیاں کرے۔ ایک خاندان کی ذمہ داریاں سنبھالنا بھی فی زمانہ آسان نہیں چہ جائیکہ وہ اس بوجھ میں اضافہ کرے۔ لیکن یہ کہ ہم کو کیا حق پہنچتا ہے کہ ہم قدغن لگائیں۔ بیوی سے اجازت لینا آخر شریعت نے کہاں مقرر کیا ہے[1]؟ لہٰذا میں اس موقع پر ان سے عرض کروں گا کہ انہوں نے صد فی صد درست بات کہی ہے کہ آزادیٔ نسواں کا ہمارا تصور اور ہے اور مغرب کا تصور اور ہے۔ لیکن اس خاکے میں اب رنگ بھرنا ہے۔ اور یہ ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ یہ رنگ بھریں۔ ان کے پاس وسائل و ذرائع ہیں، میرے پاس یا اور کسی کے پاس قوتِ نافذہ نہیں ہے۔ یہ اتھارٹی بلاشبہ ان کے ہاتھ میں ہے۔ میرے ہاتھ میں نہیں ہے۔ ہم یہ جاننا چاہتے تھے کہ شریعت میں فی الواقع پردے کے کیا احکام ہیں؟ چونکہ یہ ہمارے دین

---

[1] جو لوگ ایک سے زیادہ شادیاں کرنا چاہتے ہیں اور اس کی استطاعت بھی رکھتے ہیں وہ اپنی بیویوں پر دباؤ ڈال کر اس کی اجازت بھی حاصل کر لیتے ہیں۔ نیز جو لوگ ایک بیوی پر اکتفا نہیں کر سکتے اور جن کو نہ شریعت کی پرواہ ہوتی ہے نہ ملک کے قانون کی۔ ان کے لئے شہوت کی تسکین کے بہت سے راستے موجود ہیں۔ اس طرح تو معاشرے میں بگاڑ ہی پھیلتا ہے۔ جیسا کہ امریکہ اور مغربی ممالک میں عام ہے اور ہمارے معاشرے میں بھی یہ وبا موجود ہے۔ (مرتب)

کا معاملہ تھا اور ہم اسلامی تنظیم کے رفقاء میں اس کی پابندی کرانا چاہتے تھے۔ لہٰذا ہم نے اس مسئلے پر ایک ڈیڑھ سال قبل ایک سوالنامہ مرتب کیا جس میں ۲۵ یا ۳۰ سوال تھے اور اس ملک کے تمام معروف اہلِ علم اور دارالافتاء کو وہ سوالنامہ بھیجا کہ ہماری اس مسئلہ میں رہنمائی فرمائیں۔ ہمیں اس کا صرف ایک جواب ملا، وہ بھی انتہائی مختصر ــــ بالآخر ہم نے اس سال خود ہی ایک کمیٹی مقرر کی۔ جس نے بحمداللہ تنظیم اسلامی کے رفقاء کے لئے قرآن و سنّت کی روشنی میں ستر و حجاب کے لئے ایک خاکہ مرتب کر لیا ہے۔ جو عنقریب تنظیم سے وابستہ تمام رفقاء کو بھیج دیا جائے گا۔ اور ان کو پابند کیا جائے گا کہ وہ اپنے گھروں میں اس کو نافذ کرنے کی بھرپور کوشش کریں۔

ــــ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ قوّت نافذہ ــــ اتھارٹی ــــ اور وسائل و ذرائع صدر صاحب کے پاس ہیں۔ اسلامی نظریاتی کونسل جس میں بحمداللہ بہت سے اہلِ علم و فضل اس وقت موجود ہیں، ان کے پاس موجود ہے۔ لہٰذا پہلی فرصت میں وہ ان سے اس بارے میں معلوم کریں۔ پھر میں پورے خلوص و اخلاص کے ساتھ ان سے عرض کروں گا کہ جو کچھ وہ بتائیں، اس پر خود بھی عامل ہوں اور اس کو نافذ کریں۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس معاملے میں اتھارٹی میں نہیں ہوں۔ لیکن ساتھ ہی عرض کروں گا کہ اس معاملے میں صدر صاحب کو بھی اتھارٹی کا دعویٰ نہیں ہونا چاہیئے۔ لیکن یہ اصحابِ علم و فضل جو کچھ اس مسئلے میں بتائیں اسے تسلیم کریں اور اسے نافذ کریں[1] ــــ ایک بات میں آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا تھا کہ بلوچستان میں جناب صدرِ مملکت کی طرف سے یہ ایک خوش آئند بات آئی ہے کہ انہوں نے تسلیم کیا ہے کہ ہمارا آزادیٔ نسواں کا تصوّر مغرب کے تصوّر سے بالکل جدا ہے ــــ ساتھ ہی ایک چونکا دینے والی خبر بھی حال ہی میں اخبارات میں آئی ہے۔ اب اس کے متعلق بھی میں آپ کے سامنے کچھ باتیں عرض کروں گا۔

---

[1] نامناسب نہ ہوگا کہ اس موقع پر صدر محترم سے بصد احترام و ادب یہ عرض کیا جائے کہ سلطنت خداداد پاکستان میں عورت کو اشتہاری جنس بنا کر اس کی عظمت کی جو توہین و تذلیل کی جا رہی ہے اور ہمارے اخبارات جس طرح عورت کی تصاویر سے اپنے صفحات کو مزیّن کرتے ہیں اور دیگر ذرائع ابلاغ میں عورت کو نمایاں کر کے شرم و حیا کے قلعے میں سرنگ لگا رہے ہیں اس کے متعلق بھی اسلامی نظریاتی کونسل سے رہنمائی حاصل کر کے اس کے سدّباب کے لئے مؤثر اقدام فرمائیں۔ (مرتب)

وہ خبر یہ ہے کہ نہ معلوم محترمہ بیگم رعنا لیاقت علی خاں کو یہ زعم کیسے ہوگیا کہ وہ پاکستان کی خواتین کی نمائندہ اور لیڈر ہیں۔ میں اس وقت اس بحث میں نہیں جانا چاہتا کہ بیگم صاحبہ خود لیاقت علی خاں مرحوم کی زندگی میں ان کی سیاسی ساکھ اور سیاسی کیریر کے لئے کتنی مضر ثابت ہوئی تھیں۔ ان بیگم صاحبہ کی ذہنی کیفیت کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ وہ اس بڑھاپے اور عمر کے آخری حصّے میں اس بات کا ذکر کرتی ہیں کہ مس فاطمہ جناح مجھ سے حسد کیا کرتی تھیں۔ اب وہ دعویٰ لے کر میدان میں آئی ہیں کہ پاکستان کی خواتین کی نمائندہ اور لیڈر ہیں جو آبادی کے لحاظ سے پاکستان میں نصف کی تعداد رکھتی ہیں۔ میں یہاں اس بات کا ذکر اس لئے کر رہا ہوں کہ انہوں نے یہ خط کچھ دن پہلے صدر صاحب کو لکھا تھا اور اسے دو تین دن پہلے اخبارات کو Released کیا گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بیگم صاحبہ کو یہ امید ہوئی ہے کہ ان کے خط پر کارروائی ہوگی۔ انہوں نے خط میں صدر صاحب کو لکھا ہے کہ اس وقت شدید خطرہ نظر آرہا ہے کہ اس ملک میں خواتین کے حقوق کو پائمال کیا جائے۔ لہٰذا صدر صاحب آپ کے اور میرے مابین مذاکرات و مکالمات ہونے چاہئیں۔ جن میں آپ بحیثیت صدر پاکستان اور میں بحیثیت نمائندہ خواتین پاکستان شریک ہوں۔ اپوا کے متعلق ہماری اب تک کی معلومات تو یہ رہی ہیں کہ یہ حکومت کی گرانٹ پر چلنے والا ایک ادارہ ہے۔ جس کے مقاصد خواتین کی کچھ خدمت تھی۔ جیسے لیڈیز انڈسٹریل ہوم، گرلز اسکولوں اور کالجوں، زچہ خانوں اور خواتین کے لئے ڈسپنسریاں اور ہسپتالوں کا قیام وغیرہ۔ یہ میرے نزدیک ایک غلط شگون ہے کہ ابتدا ہی سے اس ادارے کی قیادت بیگم صاحبہ کے ہاتھ میں آگئی۔ اور اس ادارے نے ایک خاص رخ اختیار کر لیا اور وہ آزادیٔ نسواں کی نام نہاد علمبردار بن گئی۔ میں بہانگِ دہل کہوں گا کہ بیگم صاحبہ کو اس مغالطے کو دور کر لینا چاہئیے کہ وہ پاکستانی خواتین کی نمائندہ یا لیڈر ہیں۔ اسکا کوئی بھی Test وہ بنالیں۔ کراچی کی کسی آبادی سے خواتین کا ریفرنڈم کرالیں۔ جس آبادی کو وہ خود پسند کریں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ وہ لیاقت آباد یا گولیمار کی خواتین سے ریفرنڈم کرالیں۔ یہ Choice ان کا ہو، جس آبادی سے چاہیں، وہ ریفرنڈم کرالیں۔ الحمد للہ اس ملک میں اسلام کے لئے علمی کام ہوا ہے۔ خواتین کے حلقے منظم ہیں، بہت فعّال ہیں۔ یہ جو میرے انٹرویو پر مغرب زدہ خواتین نے لے دے کی تھی، اس کا ملک بھر میں جو شدید ردّعمل ہوا

ہے اس کی پوری اور صحیح خبریں اخبارات میں آئی نہیں ہیں۔ ورنہ کراچی میں جو چھوٹی سی "جلوسی" نکلی تھی اس کے جواب میں ملک کی اسی فیصدی تعلیمیافتہ خواتین کی طرف سے جو احتجاج ہوا ہے' وہ اس سے کہیں شدید تھا۔ ان میں پروفیسرز' لیکچررز' ٹیچرز' ڈاکٹرز اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین کا تناسب کہیں زیادہ ہے۔ پھر نیم خواندہ اور ناخواندہ خواتین کا بھی ردِ عمل اسی قسم کا تھا۔ وہ تو ہماری صحافت نے ان خبروں کو زیادہ تعداد میں شائع کرنا شاید اپنے مفاد کے خلاف سمجھا اس لئے ایسی خبروں کا بلیک آؤٹ کیا گیا اور جن کو شائع کیا گیا ان کو نمایاں جگہ نہیں دی گئی۔ خواتین کے علاوہ ہمارے ملک کے تعلیم یافتہ اور نیم تعلیم یافتہ طبقے کے کثیر التعداد لوگ تسلیم کرتے ہیں کہ بات وہی درست صحیح اور عین منشاءِ اسلام کے مطابق ہے جو کہی گئی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہم سماجی اور دوسرے اثرات کیوجہ سے اس پر پوری طرح عمل نہیں کر رہے یا بالکل اس سے اغماض برت رہے ہیں' لیکن ہم مانتے ہیں کہ ہماری روایات اور ہمارے دین کا تقاضا وہی ہے جو بیان ہوا ہے۔ وہ اسے اپنی کوتاہی اور تقصیر تسلیم کرتے ہیں۔ میں عرض کروں گا کہ آپ حضرات اس معاملہ میں چوکس رہیں۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی خاتون خود ساختہ (Self appointed)، خواتین پاکستان کی نمائندہ بن کر صدر مملکت سے مذاکرات شروع کر دیں[1]۔ ایسا ہوا تو یہ غلط ہو گا ۔۔۔ پہلے ایسی دعویدار خاتون کو کسی Test سے گزرنا چاہیے تاکہ معلوم ہو کہ وہ واقعتاً خواتین پاکستان کی نمائندگی کا حق رکھتی ہیں۔ یا خواہ مخواہ از خود یہ رول ادا کرنے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی ہیں[2]۔

---

[1] کراچی میں بلدیۂ عظمیٰ کراچی کی چار خواتین نے اخبارات کو ایک طویل بیان جاری کیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ بیگم رعنا لیاقت علی خاں سے اپوا کی صدر کی حیثیت سے صدر پاکستان ملاقات کرنا چاہیں تو کریں' لیکن پاکستانی خواتین کی نمائندہ ہونے کا ان کا دعویٰ بالکل غلط ہے۔ اگر کراچی کی خواتین سے ووٹ لئے جائیں تو ان کو چند سو سے زیادہ ووٹ نہیں ملیں گے۔ وہ کراچی کے کسی حلقۂ انتخاب سے خواتین کی نمائندہ نہیں بن سکتیں۔ چہ جائیکہ وہ پوری پاکستانی خواتین کی نمائندگی کا دعویٰ کریں۔ (مرتب)

[2] تازہ ترین اخباری خبروں سے معلوم ہوا ہے کہ اس شہر لاہور میں خواتین پاکستان کی نمائندگی کی بہت سی دعوے دار خواتین اٹھ کھڑی ہوئی ہیں اور ان "آزاد و روشن خیال خواتین" کی تنظیموں نے ایک "خواتین محاذِ عمل" بھی بنا لیا ہے۔ اس سے الصادق والمصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو پیشگی خبردار فرمایا تھا کہ میرے بعد جو فتنے اٹھیں گے ان میں 'خواتین کا فتنہ' سب سے (باقی اگلے صفحہ پر)

اب ان شذرات کے ضمن میں مجھے اپنے صحافی بھائیوں کا شکریہ ادا کرنا ہے کہ مجلس شوریٰ سے استعفیٰ کے بارے میں، میں نے پچھلے جمعہ ان سے جو درخواست کی تھی، ویسے ہی انہوں نے صحیح بات ہی کی رپورٹنگ اخبارات میں کی ہے۔ میں ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں نے جناب صدر صاحب کا بھی شکریہ ادا کیا تھا کہ انہوں نے نہایت خوشدلی سے مجھے مستعفی ہونے کی اجازت دی۔ میں نے اس کے بعد ان کی خدمت میں جو خط لکھا تھا اس کی نقول تمام اخبارات کو بھی ارسال کر دی گئی تھیں۔ لیکن شاید صرف ایک روزنامے میں وہ خط شائع ہوا ہے۔ اگر تمام اخبارات میں وہ شائع ہو جاتا تو ان کے قارئین کے سامنے بھی میرا موقف آجاتا۔ لیکن پتہ نہیں کہ ہمارے ایک اخبار کے ایک مشہور کالم نویس صاحب کیوں پٹڑی سے اتر گئے۔ میں ان کا بڑا احترام کرتا ہوں۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ ارشاد احمد حقانی صاحب میرے بزرگ ہیں۔ وہ بھی میرے ہی زمانے میں جماعت اسلامی کے رکن ہوا کرتے تھے۔ اور میں اختلاف کے باوجود بزرگوں کے احترام کا قائل ہوں۔ احترام اپنی جگہ ہے اور اختلاف اپنی جگہ۔ اختلاف انسان اپنے والد کی کسی رائے یا کام سے بھی کرتا ہے۔ اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ احترام ختم کر دیا جائے۔ تو مجھے ان کالم نویس صاحب کا بھی احترام ہے۔ لیکن معلوم نہیں کہ انہوں نے کیسے یہ بات سمجھ لی کہ خواتین کے مسئلے کا اس استعفیٰ سے کوئی تعلق ہے [1]۔

تسلسل: شدید ہوگا۔ یعنی عورت اپنے اصل مقام کو چھوڑ کر وہ حیثیت اختیار کرنا چاہے گی جو اسلام اور فطرت کے خلاف ہے۔ عورت کی یہ بغاوت دینی و اخلاقی طور پر موجب فساد ہوگی۔

[1] ڈاکٹر صاحب موصوف نے ۱۵ رجنوری ۱۹۸۲ء کو باغ جناح کی مسجد دارالسلام میں مجلس شوریٰ میں اپنی شمولیت کے بارے میں اپنا جو موقف بیان کیا تھا تو اسی موقع پر کہا تھا کہ "اس پہلے اجلاس میں شرکت کے بعد تین چیزیں میرے سامنے آئی ہیں جنہوں نے مجھے اپنے فیصلے پر سوچنے پر مجبور کیا ہے لیکن میں جلد بازی میں کوئی فیصلہ نہیں کروں گا۔ پہلی یہ کہ صدر صاحب کا یہ مؤقف کہ یہ صرف مشورہ نہیں ہے بلکہ حکومت میں شرکت کے مترادف ہے۔ اگر حکومت میں شرکت کا معاملہ ہے تو میں اس کے لئے کام کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں .... دوسری یہ کہ میں نے وہاں دیکھا ہے کہ مجلس شوریٰ صرف اس کا نام ہے۔ اصل میں یہ ایک پارلیمنٹ کے طور پر کام کر رہی ہے ..... تیسری یہ کہ میں (باقی اگلے صفحہ پر)

میں نے تو اللہ کے فضل سے قطعی محسوس نہیں کیا کہ میری پاکستانی قوم نے مجھے خواتین کے مسئلہ میں کہیں بھی مطعون (Laid Down) کیا ہو۔ قلیل التعداد اباحیت پسند اور تجدّد پسند طبقے کو چھوڑ دیجئے۔ مجھے تو ہر گوشے سے تائید (Support) ملی ہے۔ دینی حلقوں سے مجھے بے پناہ تائید حاصل ہوئی ہے۔ وہ تو اللہ کے فضل و کرم سے صدر محمد ضیاء الحق صاحب میں تواضع ہے۔ وہ ایک ہی روز ذرا پٹڑی سے نیچے اترے تھے جب وہ ایک پریس کانفرنس میں کچھ تلخ ہو گئے تھے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے مزاج میں بہت دھیما پن ہے۔ ورنہ اگر وہ اس ایشو (Issue) کو کہیں اپنے وقار (Prestige) کا مسئلہ بنا لیتے تو یہ میں نے خود ان سے ملاقات کے وقت کہا اور ایشیا ویک کے جو نمائندے حال ہی میں مجھ سے انٹرویو لینے آئے تھے تو ان سے بھی کہا کہ یہ صدر صاحب کے لئے بالکل وہ ہی مسئلہ بن جاتا جو صدر ایوب صاحب کے لئے عید الفطر کے چاند کا بنا تھا۔ ۱۹۶۶ء کے اواخر تک صدر ایوب صاحب بڑے آرام سے حکومت کر رہے تھے۔ پہلا مارشل لاء تھا۔ بڑا دبدبہ بڑا رعب۔ ہوتا ہی ہے، کوئی چوں کرنے والا نہیں تھا۔ لیکن عید الفطر کے چاند کے مسئلہ پر ان سے جو غلطی ہوئی اس نے ان کے خلاف بھی ہلچل پیدا کی۔ پھر وہ جم نہ سکے۔ دوسرا مسئلہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب کی کتاب "اسلام" کا درپیش ہو گیا جس سے 'وحی' کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا ہوئے جس کے خلاف پرزور احتجاج ہوا۔ پھر کیا تھا گاڑی چل پڑی۔ لیکن اللہ کے فضل سے یہاں کوئی ایسی بات نہیں ہوئی۔ اس لئے بھی نہیں ہوئی کہ میں کوئی سیاسی امنگیں (Political Ambitions) رکھتا ہی نہیں۔ ورنہ اس ملک کی ایک ایک مسجد میں اس مسئلہ پر میرے موقف کے حق میں نہایت زوردار تقاریر ہوئی ہیں۔ اور ان تقریر کرنے والوں میں ملک کے جیّد اور نامور علماء کرام شامل ہیں۔ گنتی کے چند علماء اور گنتی کی چند مساجد کے ائمہ کا طرزِ عمل نظر انداز کر دیجئے۔ لیکن میرے موقف کو تمام معتبر و مستند اور با اثر علماء، و مشائخ اور قابلِ ذکر دینی و سیاسی زعماء کی جانب سے بھرپور تائید حاصل ہوئی ہے۔ یہ نہ سمجھئے کہ مجھے معلوم

تسلسل: محسوس کر رہا ہوں کہ اس میں وقت بہت صرف ہوگا اور اگر یہ ترجیح کا معاملہ Suffer ہونے پر آگیا تو مجھے سوچنا ہوگا کہ میں کس چیز کے لئے اپنی قوتوں اور صلاحیتوں کا کتنا حصہ صرف کر سکتا ہوں۔ ملاحظہ ہو شمارہ مارچ 'میثاق'۔ (مرتب)

نہیں ہے۔ میں پوری طرح باخبر ہوں۔ کوئی فرقہ اور کوئی گروہ ایسا نہیں رہا جس کی طرف سے اس مسئلے پر Sulphur نہ بلی ہو۔ ایک بہت بڑے اور قابل احترام پیر صاحب کا واقعہ آپ کو سناتا ہوں۔ میں ان کا نام نہیں لینا چاہتا۔ ایک بہت بڑے آرمی آفیسر ان کے حلقۂ ارادت میں شامل ہیں۔ انہوں نے ایک بہت بڑے آرمی آفیسر دوست کو بتایا اور انہوں نے مجھے بتایا ــــ میں نے پورا سلسلۂ روایت آپ کو بتا دیا ہے۔ روایت یہ ہے کہ پیر صاحب کے ہاں عرس تھا اور آخری تقریب میں پیر صاحب نے بڑی جوشیلی تقریر کی۔ جس کے آخر میں فرمایا کہ ہمیں "ڈاکٹر اسرار احمد کی ہر چیز سے اختلاف ہے سوائے اس ایک چیز کے۔ خواتین کے بارے میں اس نے بات بالکل صحیح کہی ہے[1]"۔ اب ظاہر بات ہے کہ وہ پیر صاحب ہیں، میں فقیر ہوں۔ لہٰذا فاصلہ تو ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ان تک اس قسم کی اطلاعات پہنچی ہوں کہ وہ مجھے "وہابی" سمجھنے لگے ہوں۔ لیکن الحمد للہ پیر صاحب نے خواتین کے مسئلہ پر میرے موقف کی تائید میں ارشاد فرمایا کہ ڈاکٹر اسرار نے جو کچھ کہا ہے صحیح کہا ہے۔ اب اس سلسلہ میں ایک لطیفہ بھی سن لیجئے۔ ان بڑے آرمی آفیسر صاحب نے اپنا یہ تاثر بیان کیا اپنے ان دوست سے جنہوں نے مجھے بتایا کہ "میرا مسئلہ یہ ہے کہ مجھے ڈاکٹر صاحب کی دوسری تمام باتوں سے اتفاق ہے سوائے اس مسئلہ کے"۔ اب آپ سوچئے کہ مسئلہ کی اہمیت اتنی ہے کہ پیر صاحب اور مرید کی آراء کے درمیان گرہ (Tie) پڑ رہی ہے۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ مسئلہ بڑے زور شور سے ملک میں اٹھا ہے اور یہ دبے گا نہیں۔ اس لئے نہیں کہ ہمیں کوئی سیاسی مہم چلانی ہے۔ اس طرف تو ہمیں رخ کرنا ہی نہیں۔

---

[1] حاضرین میں سے ایک صاحب نے ڈاکٹر صاحب کو ایک رقعہ دیا جو تقریر کے بعد ڈاکٹر صاحب نے پڑھ کر سنایا۔ اس میں تحریر تھا کہ "میں بھی اس تقریب میں شریک تھا۔ پیر صاحب نے یہ فرمایا تھا کہ ہمیں ڈاکٹر صاحب کی بعض باتوں سے اختلاف ہے، ہر چیز سے اختلاف نہیں فرمایا تھا"۔ ڈاکٹر صاحب نے جواباً فرمایا کہ میں نے تو پیر صاحب کا نام نہیں لیا۔ ہو سکتا ہے کہ صاحب رقعہ جن پیر صاحب کا ذکر کر رہے ہوں وہ دوسرے کوئی بزرگ ہوں۔ بہرحال مجھ تک جس طرح روایت پہنچی تھی میں نے اسی طرح سنا دی۔ اگر یہی بات ہے جو صاحب رقعہ نے لکھی ہے تو یہ بڑی مبارک اور خوش آئند بات ہے۔ (مرتب)

لیکن میں علیٰ وجہ البصیرت یہ عرض کرتا ہوں کہ اگر اس ملک میں اسلام لانا ہے تو اس کی پہلی منزل یہی ہے۔ فرد کے بعد پہلے درجے پر ہمارا معاشرتی نظام ہے۔ اس کو اسلامی تعلیمات کے مطابق استوار کرنا ایک صالح معاشرے کے لئے لازم و لابد ہے۔ اس میں مرد و عورت کے دائرہ ہائے کار کو اسلام کے مطابق متعین کرنا ہوگا۔ اس کو بالقوۃ نافذ بھی کرنا ہوگا۔ اور تمام ذرائع ابلاغ کو بھی تطہیر افکار کے لئے استعمال کرنا ہوگا۔ عورت کو وہ باعزت و باوقار مقام دینا ہوگا جو اسلام نے اسے دیا ہے۔ اسی طرح ایک صالح معاشرے کی داغ بیل پڑ سکے گی۔ معاشی نظام کو اسلام کے مطابق ڈھلنے میں وقت لگے۔ چونکہ اس کا تعلق ہمارے بین الاقوامی لین دین کے معاملات سے بھی ہے۔ اسلام کے سیاسی نظام کے ڈھانچے کی تسوید و تدوین میں وقت لگ سکتا ہے۔ اس میں اختلاف رائے کی بھی بڑی گنجائش ہے۔ قرآن مجید میں کوئی سیاسی ڈھانچہ Pattern موجود نہیں ہے۔ اس نے تو وسیع ترین اور ابدی اصول دیئے ہیں: "اللہ کی حاکمیت اس کی اطاعت اور اللہ و رسولؐ کی اطاعت کے دائرے کے اندر اولوالامر کی اطاعت: "اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ — اور — "وَ اَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ" یہ اصول ہیں، جن کو ہمیں نبی اکرمؐ، خلفائے راشدین، تعامل صحابہؓ، اجتہاداتِ ائمہ مجتہدین کی روشنی میں اپنے اپنے حالات کے مطابق منطبق (Apply) کرنا ہوگا۔ اسلام کی روح اور مزاج کو سامنے رکھ کر زمانے کے اقتضا کے مطابق اجتہاد کی بھی اجازت ہے۔ لیکن سماجی نقشہ، معاشرتی زندگی، گھریلو زندگی، عائلی زندگی، نکاح اور طلاق کے قوانین، وراثت کے قوانین، حجاب اور ستر کے احکام یہ سب قرآن مجید میں بڑی تفصیل سے آئے ہیں۔ ان مسائل پر سورہ بقرہ کے پانچ چھ رکوعوں میں گفتگو ہوئی ہے۔ سورہ نساء کا اکثر و بیشتر حصہ انہی مسائل سے متعلق ہے۔ آگے چلئے تو پھر سورہ مائدہ میں یہ بحث آجائے گی، اور آگے بڑھیئے تو سورہ نور، سورہ احزاب کے بہت بڑے حصے اسی عائلی اور معاشرتی زندگی سے متعلق ہیں اور آگے چلئے سورہ طلاق، سورہ مجادلہ، سورہ تحریم ان تمام سورتوں میں غالب اور اکثر و بیشتر گفتگو اسی سے متعلق ہے۔ پس اگر اسلامی نظام کو عملی جامہ پہنانا ہے اور اس کی Implementation قوانین کی تنفیذ کے راستے سے کرنی ہے تو اس کا پہلا قدم اور پہلی سطح یہی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ صدر صاحب، جیسا کہ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ واقعتاً اس ملک میں

اسلام کو بالفعل نافذ کرنا چاہتے ہیں تو ہماری ان سے درخواست ہے کہ وہ اس کی Implementation ضرور کریں ۔ لیکن اس میں ترجیحات کا تعین ضروری ہے اور اس میں اوّلین ترجیح (Number one priority) معاشرتی و سماجی اصلاحات کا دائرہ ہے ۔ لہٰذا ہم صدر صاحب کو یہ مخلصانہ مشورہ دیں گے کہ وہ اس کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق بنانے اور اس میدان میں اسلامی احکام کی تنفیذ کے لئے مؤثر اقدامات کریں ۔ اس سے انشاء اللہ معاشرے کا رخ بدلے گا ۔ مزاج بدلے گا ۔ سوسائٹی میں صالح خدوخال ابھریں گے ۔ فرد اور خاندان اصلاح کے راستے پر گامزن ہوں گے اور پورے اسلامی نظام، اس کی حدود و تعزیرات کے نفاذ کے لئے راہ ہموار ہو گی ۔

آخری بات مجھے یہ عرض کرنی ہے کہ میں نے ۲۲ مارچ کو قرآن اکیڈمی اور ۲ اپریل کے جمعہ کو اس مسجد میں " اسلام میں عورت کا مقام " پر جو تقاریر کی تھیں ، ان کو ٹیپ سے منتقل کر کے اور یکجا کر کے " میثاق " کی ایک ' اشاعت خصوصی ' میں شائع کر دیا گیا ہے ۔ دو سو صفحات کا یہ نمبر ہے ۔ کچھ لوگ خاص طور پر وہ کالم نویس صاحب جن کا میں نے ذکر کیا تھا یہ سمجھتے ہیں کہ شاید میں میدان چھوڑ گیا ہوں ۔ حالانکہ مجلس شوریٰ کے استعفیٰ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے ۔ ہم نے یہ کام کرنا ہے ۔ لوگوں کے اذہان کو قرآن مجید اور سنّت رسول علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام سے مطمئن کرنا ہے کہ ان کی رو سے اسلام میں عورت کا مقام کیا ہے ! اور ستر و حجاب کے احکام کیا ہیں ! ہم تو کھلے دل سے تیار ہیں کہ بیگم رعنا لیاقت علیخان صاحبہ اگر کوئی فکر رکھتی ہوں اور اسلام کا معاشرتی نظام ان کے سامنے ہے تو پیش کریں ۔ ہمارے ہاں کوئی Priesthood نہیں ہے ۔ برہمنیت نہیں ہے ۔ انہوں نے واقعی اگر قرآن و سنّت کا مطالعہ کیا ہے اور ان کے سامنے واضح طور پر کتاب و سنت کا پیش کردہ عورت کی اسلام میں اصل حیثیت کے بارے میں کوئی نقشہ ہے تو وہ پیش کریں ۔ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ ۔ اپنے دلائل لائیں ۔ میں صدر صاحب سے بھی یہی کہتا ہوں کہ آپ اسلامی نظریاتی کونسل کو یہ کام تفویض کیجئے کہ وہ تفصیل کے ساتھ پوری قوم کی راہنمائی کرے ۔ لیکن بہرحال یہ ناگزیر Inevitable ہے ۔ اگر اسلام کی Implement کرنی ہے تو اس کی پہلی سطح معاشرتی دائرہ ہے ۔ قانون کی تنفیذ

کا پہلا مرحلہ ہی ہے۔ میں نے کوئٹہ کی تقریر میں مثال دی تھی کہ زپ (zip) کو آپ نیچے سے کھینچیے تو وہ اوپر تک بند ہوتی چلی جاتی ہے۔ اوپر سے اُسے جوڑیئے تو کبھی نہیں جڑے گی۔ لہٰذا اسلام کے قانون کی تنفیذ کے لئے آپ کو یہ تدریج اختیار کرنی پڑے گی کہ پہلے سماجی، معاشرتی اور عائلی سطح پر جو اسلام کے قوانین ہیں، ان کو من وعن نافذ کیجئے۔ اس کام میں ہمارے سامنے کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ کوئی بین الاقوامی مسئلہ نہیں ہے۔ کوئی بین الاقوامی تجارت کا اور قرضوں (Loans) کا مسئلہ نہیں ہے۔ کوئی خارجی رکاوٹ نہیں ہے۔ صرف اباحیت و تجدد پسند مرد وخواتین کے اقل قلیل طبقے کی ناپسندیدگی سے خوف کھا کر یا ان کے احتجاج سے ڈر کر موجودہ حکومت اگر اتنا بھی نہ کر سکے تو پھر اسے اسلام کے نفاذ کا دعویٰ کرنے کا کیا حق باقی رہ جاتا ہے؟

میثاق کی اس خصوصی اشاعت میں، میری تقریر شامل ہے۔ میں کھلے دل کے ساتھ اس کے لئے ہمیشہ تیار رہا ہوں کہ کتاب وسنّت سے میرے فکر کی غلطی کی نشاندہی کیجائے تو میں اس کی اصلاح کر لوں گا۔ لہٰذا اسے تنقیدی نگاہ سے جو حضرات وخواتین پڑھنا چاہیں ان کے لئے موقع ہے کہ وہ یہ کام کریں اور اگر میری سوچ میں قرآن وحدیث کی رو سے کوئی غلطی ہے تو اس کی نشاندہی فرمائیں۔ ایسے حضرات وخواتین کا مجھ پر یہ احسان ہوگا۔ ہمارے ملک کے جو مؤقر جرائد ہیں اس مسئلے پر ان میں سے بعض کی آراء بھی اس خصوصی اشاعت میں جمع کر دی گئی ہیں۔ مولانا حافظ محمد تقی عثمانی صاحب جو شریعت کورٹ کے جسٹس ہیں اور جو مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے ہیں، انہوں نے اس مسئلہ پر بڑا مدلّل مضمون "البلاغ" میں لکھا ہے۔ موصوف ایک طرف مستند عالم دین ہیں تو دوسری طرف جدید علوم سے بھی بہرہ مند ہیں۔ وہ ایل ایل بی بھی ہیں اسی طرح مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا جاری کردہ ماہنامہ "بیّنات" کراچی کا اس مسئلہ پر لکھا ہوا اداریہ اور چند دوسرے دینی جرائد کی آراء بھی اس میں یکجا کر دی گئی ہیں۔ شیخ عبدالعزیز بن باز مدظلہ جو اس وقت سعودی عرب کی دینی وعلمی حیثیت سے چوٹی کی شخصیت ہیں۔ جو کافی عرصے تک مدینہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر رہے ہیں۔ اسی موضوع پر ان کے ایک مضمون کے اقتباسات بھی اس شمارے میں شامل ہیں۔ چند مؤقر روزناموں کے اس موضوع پر شائع کردہ اداریئے اور کالم بھی اس میں شائع کئے گئے ہیں۔ ہم تو چاہتے ہیں کہ دلیل کے ساتھ یہ مسئلہ لوگوں کے سامنے آئے۔ اگر ہمارے فکر میں غلطی ہے تو اسے ہم پر واضح کیا جائے۔ اگر وہ بات صحیح ہے تو اسے ذہناً

وقلباً قبول کیا جائے اور عملاً بھی قبول کیا جائے اور قانوناً بھی اس کی تنفیذ کی جائے۔ اس پرچے کی قیمت لاگت کے بالکل لگ بھگ رکھی گئی ہے۔ اس کا آپ حضرات خود بھی مطالعہ کریں اور اسے زیادہ سے زیادہ پھیلائیں۔ خاص طور پر ہماری ان بہنوں تک پہنچائیں جو مغالطوں میں مبتلا ہیں۔ اس پرچے کو پھیلانے میں آپ کا اور جو حضرات یہاں موجود نہیں ہیں ان کا تعاون ان شاء اللہ تعاون علی البر والتقویٰ شمار ہو گا۔

اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ ـــ اقول قولی هٰذا وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِیْ وَلَکُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ۔ ـــــــ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَؓ۔ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ

عَلَی الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِیْمَا اَحَبَّ وَکَرِهَ مَا لَمْ یُؤْمَرْ بِمَعْصِیَةٍ

ہارڈویئر مشینری ورکشاپ ٹولز، گرائینڈنگ وہیل وائر روپ اینڈ مل سٹور مرچنٹ

ایس نظام الدین اینڈ کمپنی

۱۵۔ گراؤنڈ فلور۔ وزیر مینشن نکل روڈ۔ کراچی ۲، گھر کا فون: ۴۳۹۵۱۷

فون: ۲۳۰۲۰۸

وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ

فِيْهِ بَأْسٌ شَدِيْدٌ

وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ

(الحدید : ۲۵)

اور ہم نے لوہا اتارا

جس میں بڑی قوت بھی ہے اور لوگوں کے لیے

بڑے فوائد بھی ہیں۔

اتفاق فاؤنڈریز لمیٹڈ

۳۲۔ ایمپریس روڈ۔ لاہور

اسرار احمد

قومی ترانے کے لئے قیام اور پرچم کو سلام

ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنے ایک درس میں 'وطن پرستی' کے شرک کا ذکر کرتے ہوئے قومی ترانے کے لئے 'قیام' اور جھنڈے کی 'سلامی' کو مذکورہ بالا شرک کی مثال قرار دیا۔ اس پر اخبارات نے حسبِ معمول غیر متوازن رپورٹنگ کی۔ نتیجتاً اس موضوع پر بیان بازی اور بحث و تحیص کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس ضمن میں ڈاکٹر صاحب کے اصل موقف کی وضاحت کیلئے موصوف ہی کی ایک تحریر پیشِ خدمت ہے (ادارہ)

آج کل وطنِ عزیز کے طول و عرض میں قومی ترانے کے دوران احتراماً اور تعظیماً کھڑے ہونے اور قومی پرچم کو سلامی دینے کے بارے میں میری ایک رائے پر بہت چہ میگوئی بھی ہو رہی ہے اور بعض حلقوں کی جانب سے میری رائے کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنے بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر اس سے از خود بعض نتائج اخذ کر کے انہیں میری جانب منسوب کرنے کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ تو اگرچہ مجھے یہ توقع تو نہیں ہے کہ جو لوگ یہ کام دیدہ دانستہ کسی مذموم مقصد کے تحت کر رہے ہیں ان کے رویّے میں میری وضاحت سے کوئی تبدیلی آئیگی، تاہم عوام الناس کو مغالطے سے بچانے کے لئے حسبِ ذیل وضاحتیں ضروری ہیں ——:

۱ - یہ تو سب جانتے ہیں کہ اسلام دینِ توحید ہے اور توحید کی ضد شرک ہے۔ چنانچہ اسلام کی رُو سے سب سے بڑا گناہ، سب سے بڑی معصیت اور عظیم ترین جرم شرک ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں ایک ہی سورت (سورۂ نسا) میں دو مرتبہ یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں "اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ" (ترجمہ) اللہ اسے تو ہرگز معاف نہیں فرمائے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے البتہ اس سے کمتر گناہ جس کے لئے چاہے گا معاف فرما دے گا!" (آیت ۴۸ و ۱۱۶)

۲ —— یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، اُمّت کی خیر خواہی اور اس پر شفقت و رحمت کے جذبے کے تحت نہایت باریک بینی سے ہر اس چیز پر ٹوک دیا کرتے تھے، جس میں کسی ادنیٰ درجے میں بھی شرک کا شائبہ ہونے کا احتمال ہوتا تھا۔ اسی کی مثال ہے وہ واقعہ کہ ایک صحابیؓ کی زبان سے نادانستہ یہ الفاظ نکل گئے کہ "مَا شَاءَ اللّٰہُ وَ مَا شِئْتَ" یعنی "جو اللہ چاہے اور جو آپؐ چاہیں!" تو ظاہر ہے کہ ان صحابیؓ کے ذہن میں ادنیٰ خیال بھی شرک کا نہیں ہو سکتا تھا لیکن الفاظ بظاہر ایسے تھے جو کسی دوسرے سننے والے کے لئے غلط فہمی کی بنیاد بن سکتے تھے لہٰذا حضورؐ نے ٹوک دیا "اَجَعَلْتَنِیْ لِلّٰہِ نِدًّا" یعنی "کیا تم نے مجھے اللہ کا مدّمقابل بنا دیا ہے؟" یعنی اس کائنات میں مشیّت و ارادہ صرف اللہ تعالیٰ کا کارفرما ہے۔ لہٰذا صرف یہ کہنا چاہیئے کہ "جو اللہ چاہے"۔ اسی کی ایک دوسری مثال یہ ہے کہ آنحضورؐ اپنی تشریف آوری پر صحابہ کرامؓ کو احتراماً و تعظیماً کھڑا ہونے سے منع فرمایا کرتے تھے! صلی اللہ علیہ وسلم و فداہ آبائنا و امّھاتنا!

۳ - شرک صرف جلی ہی نہیں خفی بھی ہوتا ہے اور ظاہری ہی نہیں، معنوی بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ جہاں کسی بُت کو سجدہ کرنا ظاہر و باہر شرک ہے جس کے مرتکب پر بغیر کسی تأمّل کے مُشرک ہونے کا فتویٰ لگا دیا جائے گا وہاں 'زر پرستی'، (یعنی یہ کیفیت کہ دولت انسان کو اتنی عزیز ہو جائے کہ اس کی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ کے احکام کو پسِ پشت ڈال دے اور حرام و حلال کی تمیز اٹھا دے) بھی یقیناً شرک ہے اگرچہ ظاہری نہیں، معنوی۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:—

تَعِسَ عَبْدُ الدِّینار و عبدُ الدِّرھم" یعنی "ہلاک ہو گیا یا ہلاک ہو جائے درہم و دینار کا بندہ!" —— اسی طرح ریاکاری بھی شرک ہے جس کے ضمن میں آنحضورؐ کا حد درجہ لرزا دینے والا فرمان ہے کہ "مَنْ صلی یُراء فقد اشرك و من صام یُراء فقد اشرك و مَنْ تصدّقَ یُراء فقد اشرك" یعنی "جس نے دکھاوے کے لئے نماز پڑھی اُس نے شرک

کیا اور جس نے دکھاوے کے لئے روزہ رکھا اس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوے کے لئے خیرات کی اس نے شرک کیا!" (اللہ تعالےٰ ہمیں اس سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین!)

۴ - شرک کی گمراہی ہمیشہ ایک ہی صورت میں نہیں رہتی بلکہ ہر دور میں ابلیس لعین ع "نیا جال لائے پرانے شکاری" ! کے مصداق شرک کی نت نئی صورتیں ایجاد کر کے بندگانِ خدا کی گمراہی کا سامان پیدا کرتا ہے۔ اور اس کیلئے اُمتِ محمد علےٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے اصحابِ بصیرت اشخاص کو اللہ تعالےٰ یہ صلاحیت عطا فرماتا ہے کہ وہ سے "بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش۔ من اندازِ قدت را می شناسم" ! - کے مصداق شرک کی ہر نئی صورت کو پہچان کر خلقِ خدا کو متنبہ کریں اور اس سے بچنے کی تلقین کریں۔ یہ صلاحیت اگر حاصل نہ ہو تو عین ممکن ہے (اور یہ صورتِ حال ہر دور میں موجود رہی ہے) کہ سابقہ دور کے علماءِ کرام نے جن چیزوں کو شرک قرار دیا، بعد کے مقلدین نے ان کو تو شرک سمجھا اور اس سے خود بھی اجتناب کیا اور خلقِ خدا کو بھی اجتناب کرنے کی تلقین کی، لیکن اپنے دور کے نئے شرک کو نہ پہچاننے کے باعث "شرکِ جدید" میں نادانستہ اور غیر شعوری طور پر ملوث ہو گئے!

۵ - عہدِ حاضر کے عظیم ترین نابغۂ اُمتِ محمدؐ اور حکیم الملت علامہ اقبال مرحوم تھے جنہوں نے اس کیفیت کا مشاہدہ نہایت دقتِ نظر سے کیا اور مسلمانوں کو متنبہ کیا کہ شرک اور کفر کو صرف چند ظاہری باتوں تک ہی محدود نہ سمجھو، اس کی حقیقت کا شعور حاصل کرو اور اچھی طرح جائزہ لو کہ خود ہمارے فکر و نظر میں یہ لعنت تو سرایت نہیں کر گئی، مثلاً :-

سے "بتوں سے تجھ کو اُمیدیں خدا سے نومیدی ۔ مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے ؟"

اور سے "جو میں سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا۔ ترا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں!"

اور سے "براہیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے۔ ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنا لیتی ہے تصویریں!"

۶ - عہدِ جدید کے اجتماعی فلسفوں اور عمرانی نظریوں میں ایک "نظریۂ وطنیت" بھی ہے جس پر جدید تصورِ قومیت (نیشلزم) کی اساس قائم ہے۔ علامہ مرحوم

نے چونکہ تہذیب حاضر کی فکری و فلسفیانہ اساسات کا گہرا مطالعہ ہی نہیں کیا تھا بلکہ اس کے ثمرات و نتائج کا براہ راست مشاہدہ بھی کیا تھا، بقول خود ان کے ؎
"کہ میں اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثلِ خلیلؑ!" لہٰذا ان کی نگاہِ حقیقت شناس نے اس نظریہ میں شرک کی آمیزش کو بھانپ لیا اور نہایت پرشکوہ الفاظ میں ببانگ دہل اس کا اعلان بھی فرمایا کہ!

؎ "اس دور میں مے اور ہے جام اور ہے جم اور — ساقی نے بنا کی روش لطف و ستم اور!
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور — تہذیب کے آذر نے ترشوائے صنم اور!
ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے!"

اور مسلمانوں کو للکار کر دعوتِ عمل دی کہ عہد جدید کے اس 'ھبلِ اعظم' کو ایک ہی ضربِ محمودی سے پاش پاش کر دیں۔

؎ "نظارہ دیرینہ زمانے کو دکھا دے — اے مصطفوی خاک میں اس بت کو ملا دے!"

مزید برآں یہ وضاحت بھی فرما دی کہ نبی اکرمؐ نے اگر وطن کی محبت کو جزوِ ایمان قرار دیا ہے تو وہاں وطن سے مراد کچھ اور ہے اور جدید عمرانی نظریات میں "وطنیت" کا مفہوم کچھ اور ہے۔ محض لفظی اشتراک سے دھوکہ نہ کھایا جائے۔

؎ گفتارِ سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے — فرمانِ نبوتؐ میں وطن اور ہی کچھ ہے!

۷۔ علّامہ مرحوم کی اس خداداد بصیرت اور ژرف نگاہی پر اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے مزید غور فرمایئے تو یہ حقیقت بادنیٰ تامّل سامنے آئے گی کہ ہر معبود کے لئے ایک نماز ہوتی ہے اور ہر بت کے لئے 'ڈنڈوت' کی جاتی ہے اور ہر صنم کے لئے بھجن گائے جاتے ہیں، جن میں اُس معبود کی عظمت کے راگ الاپے جاتے ہیں اور اس کی تعظیم کے اظہار کے لئے قیام و سجود کے مراسم ادا کئے جاتے ہیں۔ معبودِ برحق سبحانہٗ و تعالےٰ کے لئے بھی "نماز" ہے۔ جس میں اس کا ترانۂ حمد (سورہ فاتحہ) بھی جزو لاینفک کی حیثیت سے شامل ہے اور قیام و رکوع و سجود بھی ہوتا ہے — اسی طرح عہد حاضر کے مذہب وطنیت میں وطن کے دیوتا کے لئے بھی 'قومی ترانے' ایجاد کئے

گئے ہیں جن میں اس کی عظمت و تقدس کے راگ الاپے جاتے ہیں اور اُن کے دوران تعظیماً کھڑے ہونے اور وطن کی عظمت کے نشان کے طور پر قومی پرچم کو سلامی دینے کے "مراسم عبودیت" کی طرح نو ڈالی گئی ہے — اور بدقسمتی سے مسلمانانِ عالم کی عظیم اکثریت نے بھی مغرب سے درآمد شدہ ان تمام چیزوں کو نادانستہ اور غیر شعوری طور پر جوں کا توں اختیار کر لیا ہے۔

۸ - روایتی علماء کی اکثریت حتیٰ کہ وہ بھی جن کا جذبہ توحید بہت قوی ہے، چنانچہ وہ 'قبر پرستی' کے خلاف بھی صبح و شام تقریریں کرتے ہیں اور میلاد کی محفلوں میں 'قیام' کو بھی شرک قرار دیتے ہیں، نہ اس شرک کو پہچان سکے — نہ اس نئے دیوتا کے مراسم عبودیت پر ان کی رگِ توحید پھڑک سکی۔ اس کی نشاندہی کا سہرا اس مردِ قلندر کے سر ہے جو اپنے بارے میں خود یہ کہتا ہے — ؎

"قلندر جز دو حرفِ لا الٰہ اور کچھ نہیں رکھتا!
فقیہہ شہر قاروں ہے لغت ہائے حجازی کا!"

اور یہ کہ ؏ "اگرچہ سر نہ تراشد قلندری داند!"

۹ - میرے نزدیک اس معاملے میں علامہ اقبال مرحوم کو ایک معنوی نسبت حاصل ہے حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ سے — جنہوں نے مغل دربار میں رائج 'سجدۂ تعظیمی' میں چھپے ہوئے شرک کو پہچانا اور اس کے خلاف علماءِ سُو کے فتووں کے علی الرغم علمِ جہاد بلند کیا، بقول علامہ اقبال ؒ —

" وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہباں — اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے سامنے — جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیٔ احرار!

کاش کہ جس طرح حضرت مجدد ؒ کے خلفاءِ کبار نے ان کے بعد ان کے مشن کو نہ صرف جاری رکھا بلکہ آگے بڑھایا، علامہ مرحوم کے بھی ایسے معنوی خلفاء ہوتے جو عہد حاضر میں اُمت کی راہنمائی کا فریضہ ادا کرتے رہتے — ان سطور کا عاجز و ناچیز راقم اسے اپنے اوپر اللہ کے بڑے فضل کا مظہر اور علامہ اقبال سے ایک نسبت معنوی کا ثمرہ سمجھتا ہے کہ اسے اس حقیقت کا مشاہدہ ہوا کہ یہ قومی ترانہ اور

اس کے دوران 'قیام' اور قومی پرچم کو سلام' دراصل معبود وطن کی 'نماز' ہے۔ جسے ہم نے مغرب کی اندھی تقلید میں نادانستہ اور غیر شعوری طور پر اختیار کر لیا ہے اور ہمیں ان چیزوں کے ساتھ وہی معاملہ کرنا چاہیئے جو علّامہ مرحوم نے تجویز کیا تھا کہ ؎

"اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے"!

۱۰ - فلسفۂ توحید و شرک پر مبنی اس اصولی بحث سے قطع نظر اس مسئلہ کا ایک اہم پہلو اُسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ہے - جب ہم آپؐ کی شخصیت و سیرت کو اُسوۂ حسنہ اور اُسوۂ کاملہ مانتے ہیں تو سوچنا چاہیئے کہ کیا حضورؐ نے بھی کوئی قومی یا ملّی ترانہ تلقین فرمایا تھا؟ - اس کے بارے میں تو شاید یہ کہہ دیا جائے کہ اس زمانے میں اس کا چلن ہی نہیں تھا اور چونکہ حضورؐ سے ممانعت ثابت نہیں لہٰذا یہ مباح ہے - لیکن اس معاملے میں بھی غور کریں کہ 'ترانوں' کا رواج اُس وقت بھی تھا' (اگرچہ قومی ترانوں کا نہیں!) چنانچہ غزوۂ خندق کے موقع پر صحابہ کرامؓ کا یہ 'ترانہ' بھی منقول ہے کہ وہ بیک زبان یہ شعر پڑھتے تھے -
؎ "نحن الذین بایعوا محمدًا - علی الجہاد ما بقینا ابدًا"
یعنی "ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے محمدؐ کے ہاتھ پر جہاد کی بیعت کی ہے جب تک بھی جان میں جان ہے"
اور یہ بھی منقول ہے کہ صحابہؓ فرماتے تھے "اللّٰھم لا عیش الا عیش الآخرۃ" یعنی اے اللہ عیش تو بس آخرت ہی کا عیش ہے" اور حضورؐ اسی بحر اور قافیے میں جواباً فرماتے تھے "فاغفر الانصار والمھاجرۃ" یعنی "اے اللہ مغفرت فرما دے انصار اور مہاجرین کی اس جماعت مقدسہ کی!"۔ بایں ہمہ کوئی 'قومی ترانہ' حضورؐ نے اُمّت کو نہیں دیا — اس سے بھی زیادہ قوی دلیل یہ ہے کہ علَمِ مبارک حضورؐ کا بھی تھا - اور اس علَم کو اونچا رکھنے کی اہمیت آنحضورؐ اور اہل ایمان کے نزدیک اتنی تھی کہ غزوہ حنین میں جب ایک عام بھگدڑ مچ گئی تو آنحضورؐ خود بنفسِ نفیس سواری سے اترے اور علَم اپنے ہاتھ میں لے لیا اور رجز پڑھتے ہوئے آگے بڑھے — اور غزوہ اُحد میں حضرت مصعب بن عمیرؓ

جو صاحب علم نبویؐ تھے ان کا ایک بازو کٹ گیا تو دوسرے سے علم کو تھاما وہ بھی کاٹ دیا گیا تو پھر دونوں بازوں کے بچے کھچے حصوں کی مدد سے علم کو سینے سے لگا لیا۔ لیکن گرنے نہ دیا تاآنکہ رُوح ہی قفس عنصری سے پرواز کر گئی —— بایں ہمہ آنحضورؐ نے کبھی علم کو سلامی نہیں دی اور نہ ہی صحابہؓ سے دلوائی ہے۔ فافهموا و تدبروا !

۱۱ - اگرچہ ہمارے نزدیک اصل دلیل کتاب اللہ اور سنت رسولؐ ہے تاہم اس معاملہ میں ایک مثال ہمیں سعودی عرب کی موجودہ حکومت کے طرز عمل سے بھی ملتی ہے۔ مجھے یہ تو معلوم نہیں کہ ان کے یہاں جھنڈے کی سلامی کا رواج ہے - یا نہیں، لیکن قومی پرچم کے ضمن میں انہوں نے پوری دنیا میں رائج و جاری اس رواج کو اختیار نہیں کیا ہے، کہ افسوس یا ماتم کے مواقع پر جھنڈا سرنگوں (HALF MAST) کر دیا جائے۔ یہ ایک مثال ہے کہ ہمیں دُنیا میں مروجہ رسومات کو جوں کا توں قبول نہیں کر لینا چاہیئے بلکہ اپنے اصولوں کو پیش نظر رکھ کر ان کا جائزہ اور تجزیہ کرنا چاہیئے اور پھر "خذ ما صفا وَدَعْ ما کدر" کے اصول کے تحت صحیح اجزاء کو اختیار کر لینا چاہیئے۔ اور غلط کو ترک کر دینا چاہیئے !

۱۲ — میری رائے جن دلائل سے بنی ہے وہ اوپر درج ہو گئے - اس کے باوجود یہ میری رائے ہے اور میں اہل علم اور اصحاب دانش سے درخواست کروں گا کہ وہ میری ان معروضات پر غور فرمائیں اور اس میں غلطی محسوس فرمائیں تو اس کی نشاندہی فرمائیں میں ان کا مشکور رہوں گا —— اور اگر میں قائل ہو گیا تو ان شاء اللہ کسی جھوٹی انا یا عزت نفس کو آڑے نہیں آنے دوں گا، بشرطیکہ دلائل کتاب و سُنّت سے ہوں بقول امام احمد بن حنبلؒ ! "ایتونی بشيءٍ من کتاب اللّٰہ وسنۃ رسولہ حتی اقول" یعنی "لاؤ میرے پاس کوئی دلیل اللہ کی کتاب سے اور اس کے رسولؐ کی سُنّت سے تو میں مان لوں گا" —— بیّنوا توجروا !

۱۳ - تاہم یہ مجھ پر بہتان ہے کہ میں نے قومی ترانے کے دوران کھڑے

ہونے والوں یا قومی پرچم کو سلامی دینے والوں کو "مشرک" قرار دیا ہے میری یہ بات بظاہر عجیب لگے گی کہ میں ان چیزوں میں شرک کا شائبہ تو پاتا ہوں لیکن ان کے مرتکبین کو "مشرک" قرار نہیں دیتا۔ لیکن ذرا سے تأمل سے میری بات واضح ہو جائے گی۔ دیکھیے! الف با تا بھی یقیناً علم ہی نہیں کل علم کی اساس ہے لیکن کیا الف با تا پڑھ جانیوالا "عالم" قرار دے دیا جائے گا؟ لفظ "عالم" کا اپنا ایک مفہوم (CONNOTATION) ہے جب تک وہ مفہوم کسی ادنیٰ درجے میں بھی پورا نہ ہو کسی پر "عالم" کا اطلاق نہیں ہوگا۔ اسی طرح کسی چیز میں شرک کا شائبہ یا آمیزش ہونا اور بات ہے اور اس کے مرتکب کو "مشرک" قرار دینا بالکل دوسری بات ہے — یہ منطقی مغالطے (LOGICAL FALLACIES) بڑے خوفناک ہوتے ہیں اور اس کا ایک مظہر یہ ہے کہ بعض لوگ اس حدیث نبوی ؐ سے منطقی نتیجہ اخذ کر کے، کہ "مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ متعمدًا فقد کفر" یعنی "جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی، وہ کافر ہو گیا۔ إنا للہ وإنا الیہ راجعون" — صحیح بات یہ ہے کہ نماز کو جان بوجھ کر چھوڑ دینے میں یقیناً شائبہ کفر ہے۔ لیکن بقول امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مستقل تارکِ صلوٰۃ بھی کافر نہیں ہوتا۔ ہاں منکرِ صلوٰۃ (یعنی جو نماز کی فرضیت ہی کا انکار کر دے) ضرور کافر ہو جاتا ہے! — لہٰذا میری اس رائے کو اس پر قیاس کیا جائے کہ قومی ترانے کے دوران "قیام" اور قومی پرچم کو "سلام" میں شائبہ شرک موجود ہے — اگرچہ ان امور کے مرتکبین کو خصوصاً جبکہ وہ یہ سب کچھ نادانستہ اور غیر شعوری طور پر کر رہے ہوں، میں ہرگز مشرک قرار نہیں دیتا۔!!

سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ!!

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

برائے توجہ!

قارئین میثاق سے گذارش ہے کہ خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں (شکریہ)

سلسلہ تقاریر **الکتٰب** (اسٹیلی ویژن)

پارہ ۲۷ ـــــ قَالَ فَمَا خَطْبُکُمْ

قرآن مجید کا ستائیسواں پارہ " قَالَ فَمَا خَطْبُکُمْ " کے الفاظ سے شروع ہوتا ہے اور اسی نام سے موسوم ہے۔ اس میں اولاً سُورۃ الذاریت کا نصفِ ثانی شامل ہے۔ پھر سُورۃ طور پھر سورۃ نجم پھر سورۃ قمر پھر سورۃ الرحمٰن اور پھر الواقعہ اور آخر میں سورۃ الحدید۔ سورۃ الذاریات کا جو حصّہ اس پارے میں شامل ہے اس کی اہم ترین آیت ہے۔ " وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ " میں نے انسانوں اور جنوں کو پیدا ہی اس لئے کیا ہے کہ وہ میری پرستش کریں۔ میری بندگی کریں۔ میری اطاعت کریں۔ میری غلامی اختیار کریں۔ یہ گویا اس دنیاوی زندگی کا مآل اور اس کا اصل مقصد اور اس کی اصل غایت ہے ؎

زندگی آمد برائے بندگی ۔۔۔ زندگی بے بندگی شرمندگی

اس کے بعد سُورۃ طور آتی ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں ایک بہت اہم آیت وارد ہوئی ہے۔ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ ھُمُ الْخٰلِقُوْنَ ۝ "یہ لوگ یہ تو سوچیں کہ یہ بغیر کسی کے پیدا کئے پیدا ہو گئے یا انہوں نے خود اپنے آپ کو پیدا کیا۔ ظاہر بات ہے کہ ان دونوں چیزوں میں سے کوئی ایک بھی ممکن نہیں۔ نہ عقل سلیم اس کو تسلیم کرے گی نہ کوئی بقائمی ہوش وحواس اس بات کا مدعی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنا خالق خود ہے۔ نہ یہ بات عقل انسانی باور کر سکتی ہے کہ کوئی بغیر کسی کے پیدا کئے پیدا ہو جائے۔ لہٰذا تیسری یہی بات ہے کہ اللہ ہی سب کا خالق ہے۔ اس کے بعد سورۃ نجم آتی ہے۔ اس سورۃ مبارکہ کے آغاز میں حضرت رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایک بہت اہم بات ارشاد ہوئی۔ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی ۝ اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۝ وہ اپنی خواہش نفس

سے کلام نہیں فرماتے۔ بلکہ وہ جوبات فرماتے ہیں اللہ کا فرمایا ہوا اللہ کی وحی کی بنیاد پر فرماتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ نبی اکرم ؐ کا جس طرح ہر عمل اُمت کے لئے واجب الاتباع ہے اسی طرح آپ کا ہر فرمان خواہ وہ وحی جلی پر مبنی ہو یا وحی خفی پر، وہ اُمت کیلئے واجب الاتباع ہے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو اور آپ کے فرمودات کا منبع و سرچشمہ آپ کی لفاظی نہیں بلکہ وحی الٰہی ہے۔ سورۃ نجم میں معراج کا جو آسمانی مرحلہ ہے اس کا بھی ذکر ہوا۔

عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ٥ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوٰى ٥ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ٥ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ٥

سدرۃ المنتہیٰ پر اللہ کے جن انوار کی بارش ہو رہی تھی نطقِ انسانی ان کے تحمل سے قاصر ہے اس لئے فرمایا گیا کہ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى۔ اس وقت نبی اکرم ؐ کے مشاہدے کی شان یہ تھی کہ نہ نگاہ کج ہوئی نہ حدِ ادب سے تجاوز کیا بلکہ نبی اکرم ؐ نے مشاہدہ کیا اپنے ربِ عظیم کا۔ سورۃ نجم میں یہ بات بھی بڑی تاکید کے ساتھ آئی کہ انسان کو اپنا بوجھ خود اٹھانا ہے لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ٥ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ٥ انسان کے لئے وہی کچھ ہے جس کے لئے اس نے محنت کی ہاں اپنی محنت کو وہ دیکھ لے گا وہ اسکے سامنے لائی جائیگی۔ اس کی محنت کو اللہ تعالیٰ ضائع کرنے والا نہیں ہے۔ اس کے بعد سورہ قمر آتی ہے اس میں متعدد دفعہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی عظمت بیان فرماتے ہیں اور گویا کہ انسان پر حجت قائم کر رہے ہیں وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ہم نے قرآن کو یاد دھانی کے لئے، نصیحت اخذ کرنے کے لئے، ہدایت اور راہنمائی حاصل کرنے کے لئے انتہائی آسان بنا دیا ہے۔ ہے کوئی جو اس سے نصیحت اخذ کرے۔ ہے کوئی جو اس کی راہنمائی سے فائدہ اٹھائے۔ سورۃ قمر کے بعد سورۃ رحمٰن آتی ہے جس کو نبی اکرم ؐ نے قرآن کی دلہن قرار دیا۔ اس کے بالکل آغاز میں قرآن مجید کی عظمت کا بیان ہے۔ اَلرَّحْمٰنُ ٥ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ٥

اللہ تعالیٰ کی شان رحمانی کا سب سے بڑا مظہر قرآن مجید ہے خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ ۔ اللہ نے انسان کو پیدا کیا ۔ اشرف المخلوقات بنایا اور اسے بیان کی قوت، قوتِ گویائی، قوتِ نطق عطا فرمائی ۔ ان چاروں آیتوں کو اگر جمع کر لیا جائے تو ان کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ جس کو بھی اللہ نے قوتِ گویائی عطا فرمائی ہو جسے بھی کچھ قادر الکلامی عطا فرمائی ہو ۔ اسے اپنی اس قوت کا اور اپنے اس وصف کا بہترین مصرف یہی بنانا چاہیے۔ حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں ۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا ۔

خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ ۔ تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن سیکھیں اور سکھائیں ۔ قرآن کو سمجھو اور اس کو بیان کرو ۔ انسان کی قوتِ بیانیہ کا اس سے بہترین مصرف اور کوئی نہیں ۔ سورۃ رحمٰن میں بار بار الفاظ آتے ہیں ۔ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۔

اے انسانو اور اے جنو ! (جن کے بارے میں سورۃ الذاریات میں فرمایا گیا کہ تمہیں پیدا ہی کیا گیا ہے عبادت رب کے لئے) تم اللہ کی کن کن نعمتوں کا انکار کرو گے ۔ اللہ کی نعمتوں کے حوالے سے نصیحت اور یاد دھانی کی کوشش کی بڑی ہی حسین مثال ہے سورۃ رحمٰن ۔ اس لئے اس میں یہ الفاظ بار بار بطور تکرار و اعادہ وارد ہوئے۔ اس کے بعد سورۃ الواقعہ ہے اس میں انجام کار کے اعتبار سے تین قسم کے لوگوں کا ذکر ہے ایک تو مقربین بارگاہ ربانی ہیں ۔ ان کا تو عالم یہ ہے " فَرَوْحٌ وَّرَیْحَانٌ وَّجَنَّتُ نَعِیْمٍ ۝

اللہ کی رحمتوں میں ہوں گے ۔ پھلوں اور پھولوں میں ہوں گے نعمتوں والی جنت میں وہ رہیں گے اور ہمیشہ رہیں گے ایک دوسری جماعت بھی ہے جو اس درجہ کی تو نہیں مگر اصحاب الیمین سے ہے ۔ فَسَلٰمٌ لَّکَ مِنْ اَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ ۝ ان کے لئے بھی سلامتی اور خیر ہے اور ان کے لئے رب کی نعمتیں ۔ لیکن ایک تیسری جماعت ہے ۔ یہ اصحاب الشمال کی جماعت ہے ۔ الضالین ہیں گم کردہ راستہ بھٹکے ہوئے جھٹلائے ہوئے ان کا انجام ہوگا ۔ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِیْمٍ وَّتَصْلِیَةُ جَحِیْمٍ ۝

انتہائی کھولتے ہوئے پانی سے ان کی ضیافت کی جائے گی اور انہیں جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ط اور اے لوگو یہ باتیں خالی خولی دھمکیاں نہیں ہیں۔ یہ یقین کے لئے ہیں۔ یہ یقین کی مستحق ہیں۔ یہ ایسی باتیں ہیں جو قطعی حق ہیں۔ اس کے بعد آتی ہے قرآن حکیم کی سورۃ الحدید انتہائی عظیم سورۃ اور مدنی سورتوں کا ایک سلسلہ اس سے شروع ہوتا ہے اور اٹھائیسویں پارے کے اختتام تک چلا گیا ہے۔ اس کی یہ جامع ترین سورۃ بھی ہے اور اس کا نقطہ آغاز بھی ہے۔ اس سورۃ مبارکہ کی ابتدائی چھ آیات میں اللہ تعالٰے کی ذات وصفات کا بیان ہے انتہائی جامعیت کے ساتھ بھی اور اعلیٰ ترین عقلی سطح پر۔ اس کے بعد دین کے تقاضے دو الفاظ میں بیان ہو گئے آمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ۔ ایمان والو ایمان لاؤ۔ اللہ پر اس کے رسول پر اور جس چیز میں اللہ نے تمہیں خلافت عطا فرمائی، دنیا میں جو جو تمہیں عطا کیا ہے جس جس چیز میں اختیار بخشا ہے، جس جس چیز کو تمہاری ملکیت میں دے دیا ہے اسے اللہ کی راہ میں لگا دو یہ انتہائی مختصر الفاظ میں دین کا تقاضہ ہے۔ اگر اس سے کنی کتراؤ گے، اگر اس سے جی چراؤ گے تو پھر جان لو منزل منافقت ہے۔ اور نفاق انتہائی دردناک انجام تک پہنچا دینے والی چیز ہے منافق دنیا میں مسلمانوں کے ساتھ شمار ہوتا ہے لیکن اخروی انجام کے اعتبار سے وہ کافروں کے ساتھ ہوگا چنانچہ انتہائی حسرت ناک نقشہ کھینچا گیا ہے کہ جب قیامت میں اہل ایمان اور منافقین کو جدا کر دیا جائے گا اور ان کے مابین فصیل حائل کر دی جائے گی تو منافق کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے تو اہل ایمان جواب دیں گے۔

وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ه

لیکن تم نے اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں فتنوں میں ڈالا۔ دنیا کی محبت میں گرفتار ہو کر رہ گئے اور پھر تم شکوک وشبہات میں مبتلا ہو کر رہ گئے۔ اور پھر تم

(باقی صے پر)

حُسنِ انتخاب

دَورِ جدید کا مُسلمان

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم کی معرکۃ الآرا تصنیف "پردہ" کا ایک باب

افراط و تفریط کی بھول بھلیاں میں بھٹکنے والی دنیا کو اگر عدل کا راستہ دکھانے والا کوئی ہو سکتا تھا۔ تو وہ صرف مسلمان تھا۔ جس کے پاس اجتماعی زندگی کی ساری گتھیوں کے صحیح حل موجود ہیں، مگر دُنیا کی بدنصیبی کا یہ بھی ایک عجیب دردناک پہلو ہے کہ اس اندھیرے میں جس کے پاس چراغ تھا وہی کمبخت رتوند کے مرض میں مبتلا ہو گیا۔ دوسروں کو راستہ دکھانا تو درکنار، خود اندھوں کی طرح بھٹک رہا ہے اور ایک ایک بھٹکنے والے کے پیچھے دوڑتا پھرتا ہے ــ

"پردے" کا لفظ جن احکام کے مجموعہ پر بطورِ عنوان استعمال کیا جاتا ہے وہ دراصل اسلامی ضابطۂ معاشرت کے نہایت اہم اجزا پر مشتمل ہیں۔ اس پورے ضابطے کے سانچے میں ان احکام کو ان کے صحیح مقام پر رکھ کر دیکھا جائے تو کوئی ایسا شخص جس میں بقدرِ رمق بھی فطری بصیرت باقی ہو، یہ اعتراف کئے بغیر نہ رہے گا کہ معاشرت میں اس کے سوا اعتدال و توسط کی کوئی دوسری صورت نہیں ہو سکتی اور اور اگر اس ضابطہ کو اس کی اصل رُوح کے ساتھ عملی زندگی میں برت کر دکھایا جائے، تو اس پر اعتراض کرنا تو درکنار، مصائب کی ماری ہوئی دنیا سلامتی کے اس سرچشمہ کی طرف خود دوڑی چلی آئیگی ۔ مگر یہ کام کرے کون ؟ جو اُسے کر سکتا تھا وہ خود ایک مدت سے بیمار پڑا ہے، آیئے آگے بڑھنے سے پہلے ایک نظر اس کے مرض کا بھی جائزہ لے لیں ۔

تاریخی پس منظر

اٹھارویں صدی کا آخری اور انیسویں صدی کا ابتدائی زمانہ تھا۔ جب مغربی قوموں کی ملک گیری کا سیلاب ایک

طوفان کی طرح اسلامی ممالک پر اُمنڈ آیا اور مسلمان ابھی نیم خفتہ و نیم بیدار ہی تھے کہ دیکھتے دیکھتے یہ طوفان مشرق سے لے کر مغرب تک تمام دُنیائے اسلام پر چھا گیا۔ انیسویں صدی کے نصف آخر تک پہنچتے پہنچتے بیشتر مسلمان قومیں یورپ کی غلام ہو چکی تھیں اور جو غلام نہ ہوئی تھیں وہ بھی مغلوب و مرعوب ضرور ہو گئی تھیں جب اس انقلاب کی تکمیل ہو چکی تو مسلمانوں کی آنکھیں کھلنی شروع ہوئیں۔ وُہ قومی غرور جو صدہا برس تک جہانبانی و کشورکشائی کے میدان میں سربلند رہنے کی وجہ سے پیدا ہو گیا تھا، دفعتہً خاک میں مل گیا، اور اس شرابی کی طرح جس کا نشہ کسی طاقتور دشمن کی پیہم ضربات نے اتار دیا ہو، انہوں نے اپنی شکست اور فرنگیوں کی فتح کے اسباب پر غور کرنا شروع کیا۔ لیکن ابھی دماغ درست نہیں ہوا تھا، گو نشہ اتر گیا تھا، مگر توازن ابھی تک بگڑا ہوا تھا۔ ایک طرف ذلت کا شدید احساس تھا جو اس حالت کو بدل دینے پر اصرار کر رہا تھا۔ دوسری طرف صدیوں کی آرام طلبی اور سہولت پسندی تھی جو تبدیل حال کا سب سے آسان اور سب سے قریب کا راستہ ڈھونڈھنا چاہتی تھی۔ تیسری طرف سمجھ بوجھ اور غور و فکر کی زنگ خوردہ قوتیں تھیں، جن سے کام لینے کی عادت سالہا سال سے چھوٹی ہوئی تھی۔ ان سب پر مزید وہ مرعوبیت اور دہشت زدگی تھی جو ہر شکست خوردہ غلام قوم میں فطرۃً پیدا ہو جاتی ہے۔ ان مختلف اسباب نے مل جل کر اصلاح پسند مسلمانوں کو بہت سی عقلی اور عملی گمراہیوں میں مبتلا کر دیا۔ ان میں سے اکثر تو اپنی پستی اور یورپ کی ترقی کے حقیقی اسباب سمجھ ہی نہ سکے۔ اور جنہوں نے ان کو سمجھا، ان میں بھی اتنی ہمت، جفاکشی اور مجاہدانہ اسپرٹ نہ تھی کہ ترقی کے دشوار گزار راستوں کو اختیار کرتے۔ مرعوبیت اس پر مستزاد تھی، جس میں دونوں گروہ برابر کے شریک تھے۔ اس بگڑی ہوئی ذہنیت کے ساتھ ترقی کا سہل ترین راستہ جو اُن کو نظر آیا وہ یہ تھا کہ مغربی تہذیب و تمدن کے مظاہر کا عکس اپنی زندگی میں اتار لیں اور اُس آئینہ کی طرح بن جائیں جس کے اندر باغ و بہار کے مناظر تو سب کے سب موجود ہوں مگر درحقیقت نہ باغ ہو نہ بہار۔

ذہنی غلامی | یہی بحرانی کیفیت کا زمانہ تھا جس میں مغربی لباس، مغربی

معاشرت، مغربی آداب و اطوار حتیٰ کہ چال ڈھال اور بول چال تک میں مغربی طریقوں کی نقل اتاری گئی۔ مسلم سوسائٹی کو مغربی سانچوں میں ڈھالنے کی کوششیں کی گئیں۔ الحاد، دہریت اور مادہ پرستی کو فیشن کے طور پر بغیر سمجھے بوجھے قبول کیا گیا۔ ہر وہ پختہ یا خام تخیل جو مغرب سے آیا، اس پر ایمان بالغیب لانا اور اپنی مجلسوں میں اس کو معرض بحث بنانا روشن خیالی کا لازمہ سمجھا گیا۔ شراب، جوا، لاٹری، ریس، تھیٹر، رقص و سرود اور مغربی تہذیب کے دوسرے ثمرات کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ شائستگی، اخلاق، معاشرت، معیشت، سیاست، قانون۔ حتیٰ کہ مذہبی عقائد اور عبادات کے متعلق بھی جتنے مغربی نظریات یا عملیات تھے ان کو کسی تنقید اور کسی فہم و تدبر کے بغیر اس طرح تسلیم کر لیا گیا کہ گویا وہ آسمان سے اتری ہوئی وحی ہیں جس پر سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا کہنے کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں۔ اسلامی شریعت کے احکام اور قرآن و حدیث کے بیانات میں سے جس جس چیز کو اسلام کے پرانے دشمنوں نے نفرت یا اعتراض کی نگاہ سے دیکھا اس پر مسلمانوں کو بھی شرم آنے لگی اور انہوں نے کوشش کی کہ اس داغ کو کسی طرح دھو ڈالیں۔ انہوں نے جہاد پر اعتراض کیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضور بھلا ہم کہاں اور جہاد کہاں؟ انہوں نے غلامی پر اعتراض کیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ غلامی تو ہمارے ہاں بالکل ہی ناجائز ہے۔ انہوں نے تعدد ازدواج پر اعتراض کیا۔ انہوں نے فوراً قرآن کی ایک آیت پر خطِ نسخ پھیر ڈالا۔ انہوں نے کہا کہ عورت اور مرد میں کامل مساوات ہونی چاہیئے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یہی ہمارا مذہب بھی ہے۔ انہوں نے قوانین نکاح و طلاق پر اعتراضات کئے یہ ان سب میں ترمیم کرنے پر تُل گئے۔ انہوں نے کہا کہ اسلام آرٹ کا دشمن ہے۔ انہوں نے کہا کہ اسلام تو ہمیشہ سے ناچ گانے اور مصوری و بت تراشی کی سرپرستی کرتا رہا ہے ——

مسئلہ حجاب کی ابتداء

مسلمانوں کی تاریخ کا یہ دور سب سے زیادہ شرمناک ہے، اور یہی دور ہے جس میں پردے کے سوال پر بحث چھڑی۔ اگر سوال محض اس قدر ہوتا کہ اسلام میں عورت کے لئے آزادی کی کیا حد مقرر کی گئی ہے تو جواب کچھ بھی مشکل نہ ہوتا۔ زیادہ سے زیادہ جو

اختلاف اس باب میں پایا جاتا ہے وہ محض اس حد تک ہے کہ چہرہ اور ہاتھ کو کھولنا جائز ہے یا نہیں؛ اور یہ کوئی اہم اختلاف نہیں ہے۔ لیکن دراصل یہاں معاملہ کچھ اور ہے مسلمانوں میں یہ مسئلہ اس لئے پیدا ہوا کہ یورپ نے "حرم" اور پردۂ نقاب کو نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھا۔ اپنے لٹریچر میں اس کی نہایت گھناؤنی اور مضحکہ انگیز تصویریں کھینچیں، اسلام کے عیوب کی فہرست میں عورتوں کی "قید" کو نمایاں جگہ دی۔ اب کیونکر ممکن تھا کہ مسلمانوں کو حسب دستور اس چیز پر بھی شرم نہ آنے لگتی۔ انہوں نے جو کچھ جہاد غلامی اور تعدّد ازدواج اور ایسے ہی دوسرے مسائل میں کیا تھا وہی اس مسئلہ میں بھی کیا۔ قرآن اور حدیث اور اجتہادات آئمہ کی ورق گردانی محض اس غرض سے کی گئی کہ وہاں اس "بدنما داغ" کو دھونے کے لئے کچھ سامان ملتا ہے یا نہیں۔ معلوم ہوا کہ بعض آئمہ نے ہاتھ اور منہ کھولنے کی اجازت دی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت اپنی ضروریات کے لئے گھر سے باہر بھی نکل سکتی ہے۔ یہ بھی پتہ چلا کہ عورت جنگ میں سپاہیوں کو پانی پلانے اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے کے لئے بھی جا سکتی ہے۔ مسجدوں میں نماز کے لئے جانے اور علم سیکھنے اور درس دینے کی بھی گنجائش پائی گئی۔ بس اتنا مواد کافی تھا۔ دعویٰ کر دیا گیا کہ اسلام نے عورت کو پوری آزادی عطا کی ہے پردہ محض ایک جاہلانہ رسم ہے جس کو تنگ نظر اور تاریک خیال مسلمانوں نے قرونِ اولیٰ کے بہت بعد اختیار کیا ہے۔ قرآن و حدیث پردہ کے احکام سے خالی ہیں، ان میں تو صرف شرم و حیا کی اخلاقی تعلیم دی گئی ہے، کوئی ایسا ضابطہ نہیں بنایا گیا جو عورت کی نقل و حرکت پر کوئی قید عائد کرتا ہو۔

اصلی محرکات

انسان کی یہ فطری کمزوری ہے کہ اپنی زندگی کے معاملات میں جب وہ کوئی مسلک اختیار کرتا ہے تو عموماً اس کے انتخاب کی ابتداء ایک جذباتی غیر عقلی رجحان سے ہوتی ہے اور اس کے بعد وہ اپنے اس رجحان کو معقول ثابت کرنے کے لئے عقل و استدلال سے مدد لیتا ہے۔ پردے کی بحث میں بھی ایسی ہی صورت پیش آئی۔ اس کی ابتداء کسی عقلی یا شرعی ضرورت کے احساس سے نہیں ہوتی بلکہ دراصل اس رجحان سے ہوئی جو ایک غالب

قوم کے خوش نما تمدن سے متاثر ہونے اور اسلامی تمدن کے خلاف اس قوم کے پروپیگنڈا سے مرعوب ہو جانے کا نتیجہ تھا۔

ہمارے اصلاح طلب حضرات نے جب وحشت سے پھٹی ہوئی آنکھوں کے ساتھ فرنگی عورتوں کی زینت و آرائش اور ان کی آزادانہ نقل وحرکت، اور فرنگی معاشرت میں ان کی سرگرمیوں کو دیکھا تو اضطراری طور پر ان کے دلوں میں یہ تمنا پیدا ہوئی کہ کاش! ہماری عورتیں بھی اسی روش پر چلیں تاکہ ہمارا تمدن بھی فرنگی تمدن کا ہمسر ہو جائے پھر وہ آزادیٔ نسواں ' اور تعلیم اناث ، اور مساوات مردوزن کے ان جدید نظریات سے بھی متاثر ہوئے جو طاقتور استدلالی زبان ، اور شاندار طباعت کے ساتھ بارش کی طرح مسلسل ان پر برس رہے تھے ۔اس لٹریچر کی زبردست طاقت نے ان کی قوتِ تنقید کو ماؤف کر دیا اور ان کے وجدان میں یہ بات اتر گئی کہ ان نظریات پر ایمان بالغیب لانا اور تحریر و تقریر میں ان کی وکالت کرنا اور (بقدر ہمت وجرأت) عملی زندگی میں بھی ان کو رائج کر دینا ہر اس شخص کے لئے ضروری ہے جو "روشن خیال" کہلانا پسند کرتا ہو اور " دقیانوسیت" کے بدترین الزام سے بچنا چاہتا ہو۔ نقاب کے ساتھ سادہ لباس میں چھپی ہوئی عورتوں پر جب " متحرک خیمے اور کفن پوش جنازہ " کی پھبتیاں کسی جاتی تھیں تو یہ بیچارے شرم کے مارے زمین میں گڑ گڑ جاتے تھے ۔آخر کہاں تک ضبط کرتے؟ مجبور ہو کر یا مسحور ہو کر، بہرحال اس شرم کے دھبے کو دھونے پر آمادہ ہو ہی گئے۔

انیسویں صدی کے آخری زمانے میں آزادیٔ نسواں کی جو تحریک مسلمانوں میں پیدا ہوئی اس کے اصلی محرکات یہی جذبات و رجانات تھے ۔ بعض لوگوں کے شعورِ خفی میں یہ جذبات چھپے ہوئے تھے اور ان کو خود بھی معلوم نہ تھا کہ دراصل کیا چیز انہیں اس تحریک کی طرف لیجا رہی ہے ۔ یہ لوگ خود اپنے نفس کے دھوکے میں مبتلا تھے اور بعض کو خود اپنے جذبات کا بخوبی احساس تھا، مگر انہیں اپنے اصلی جذبات کو ظاہر کرتے شرم آتی تھی وہ خود تو دھوکے میں نہ تھے لیکن انہوں نے دنیا کو دھوکے میں ڈالنے کی کوشش کی ۔ بہرحال دونوں گروہوں نے کام ایک ہی کیا اور وہ یہ تھا کہ اپنی تحریک کے اصل محرکات کو چھپا

کر ایک جذباتی تحریک کے بجائے ایک عقلی تحریک بنانے کی کوشش کی۔ عورتوں کی صحت، ان کے عقلی و عملی ارتقاء، ان کے فطری اور پیدائشی حقوق، ان کے معاشی استقلال، مردوں کے ظلم و استبداد سے ان کی رہائی، اور قوم کا نصف ہونے کی حیثیت سے ان کی ترقی پر پورے تمدن کی ترقی کا انحصار، اور ایسے ہی دوسرے حیلے جو براہِ راست یورپ سے برآمد ہوتے تھے، اس تحریک کی تائید میں پیش کئے گئے، تاکہ عام مسلمان دھوکے میں مبتلا ہو جائیں اور ان پر یہ حقیقت نہ کھل سکے کہ اس تحریک کا اصل مقصد مسلمان عورت کو اس روش پر چلانا ہے جس پر یورپ کی عورت چل رہی ہے اور نظامِ معاشرت میں ان طریقوں کی پیروی کرنا ہے جو اس وقت فرنگی قوموں میں رائج ہیں ـــ

سب سے بڑا فریب سب سے زیادہ شدید اور قبیح فریب جو اس سلسلہ میں دیا گیا وہ یہ ہے کہ قرآن اور حدیث سے استدلال کر کے اس تحریک کو اسلام کے موافق ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ حالانکہ اسلام اور مغربی تہذیب کے مقاصد اور تنظیمِ معاشرت کے اصولوں میں زمین و آسمان کا بُعد ہے۔ اسلام کا اصل مقصد جیسا کہ ہم آگے چل کر بتائیں گے، انسان کی شہوانی قوت (　　　　　) کو اخلاقی ڈسپلن میں لاکر اس طرح منضبط کرنا ہے کہ وہ آوارگیٔ عمل اور ہیجانِ جذبات میں ضائع ہونے کے بجائے ایک پاکیزہ اور صالح تمدن کی تعمیر میں صرف ہو۔ برعکس اس کے مغربی تمدن کا مقصد یہ ہے کہ زندگی کے معاملات اور ذمہ داریوں میں عورت اور مرد کو یکساں شریک کر کے مادی ترقی کی رفتار تیز کر دی جائے اور اس کے ساتھ شہوانی جذبات کو ایسے فنون اور مشاغل میں استعمال کیا جائے جو کشمکشِ حیات کی تلخیوں کو لطف اور لذت میں تبدیل کر دیں۔ مقاصد کے اس اختلاف کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ تنظیمِ معاشرت کے طریقوں میں بھی اسلام اور مغربی تمدن کے درمیان اصولی اختلاف ہو۔ اسلام اپنے مقصد کے لحاظ سے معاشرت کا ایسا نظام وضع کرتا ہے جس میں عورت اور مرد کے دائرۂ عمل بڑی حد تک الگ کر دیئے گئے ہیں، دونوں صنفوں کے آزادانہ اختلاط کو روکا گیا ہے۔ اور ان تمام اسباب کا

قلع قمع کیا گیا ہے جو اس نظم و ضبط میں برہمی پیدا کرتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں مغربی تمدن کے پیشِ نظر جو مقصد ہے اس کا طبعی اقتضاء یہ ہے کہ دونوں صنفوں کو زندگی کے ایک ہی میدان میں کھینچ لایا جائے، اور ان کے درمیان وہ تمام حجابات اٹھا دیئے جائیں جو ان کے آزادانہ اختلاط اور معاملت میں مانع ہوں، اور ان کو ایک دوسرے کے حسن اور صنفی کمالات سے لطف اندوز ہونے کے غیر محدود مواقع بہم پہنچائے جائیں۔

اب ہر صاحب عقل انسان اندازہ کر سکتا ہے کہ جو لوگ ایک طرف مغربی تمدن کی پیروی کرنا چاہتے ہیں اور دوسری طرف اسلامی نظم معاشرت کے قوانین کو اپنے لئے حجت بناتے ہیں۔ وہ کس قدر سخت فریب میں خود مبتلا ہیں یا دوسروں کو مبتلا کر رہے ہیں۔ اسلامی نظم معاشرت میں تو عورت کے لئے آزادی کی آخری حد یہ ہے کہ حسب ضرورت ہاتھ اور منہ کھول سکے اور اپنی حاجات کے لئے گھر سے باہر نکل سکے۔ مگر یہ لوگ آخری حد کو اپنے سفر کا نقطۂ آغاز بناتے ہیں۔ جہاں پہنچ کر اسلام رُک جاتا ہے وہاں سے یہ چلنا شروع کرتے ہیں اور یہاں تک بڑھ جاتے ہیں کہ حیا اور شرم بالائے طاق رکھ دی جاتی ہے۔ ہاتھ اور منہ ہی نہیں بلکہ خوبصورت مانگ نکلے ہوئے سر، اور شانوں تک کھلی ہوئی بانہیں اور نیم عریاں سینے بھی نگاہوں کے سامنے پیش کر دیئے جاتے ہیں، اور جسم کے باقی ماندہ محاسن کو بھی ایسے باریک کپڑوں میں ملفوف کیا جاتا ہے کہ وہ چیز ان میں سے نظر آ سکے جو مردوں کی شہوانی پیاس کو تسکین دے سکتی ہو۔ پھر ان لباسوں اور آرائشوں کے ساتھ محرموں کے سامنے نہیں بلکہ دوستوں کی محفلوں میں بیویوں، بہنوں اور بیٹیوں کو لایا جاتا ہے اور ان کو غیروں کے ساتھ ہنسنے، بولنے اور کھیلنے میں وہ آزادی بخشی جاتی ہے جو مسلمان عورت اپنے سگے بھائی کے ساتھ بھی نہیں برت سکتی۔ گھر سے نکلنے کی جو اجازت تھی، محض ضرورت کی قید اور کامل ستر پوشی و حیاداری کی شرط کے ساتھ دی گئی تھی، اس کو جاذب نظر ساڑیوں اور نیم عریاں بلاؤزروں اور بے باک نگاہوں کے ساتھ سڑکوں پر پھرنے، پارکوں میں ٹہلنے، ہوٹلوں کے چکر لگانے اور سینماؤں

کی سیر کرنے میں استعمال کیا جاتا ہے۔ عورتوں کو خانہ داری کے سوا دوسرے امور میں حصّہ لینے کی جو مقیّد اور مشروط آزادی اسلام میں دی گئی تھی اس کو حجّت بنایا جاتا ہے اس غرض کے لئے کہ مسلمان عورتیں بھی فرنگی عورتوں کی طرح گھر کی زندگی اور اس کی ذمّہ داریوں کو طلاق دے کر سیاسی و معاشی اور عمرانی سرگرمیوں میں ماری ماری پھریں اور عمل کے ہر میدان میں مردوں کے ساتھ دوڑ دھوپ کریں۔

ہندوستان میں تو معاملہ یہیں تک ہے۔ مصر، ٹرکی اور ایران میں سیاسی آزادی رکھنے والے ذہنی غلام اس سے بھی دس قدم آگے نکل گئے ہیں۔ وہاں "مسلمان" عورتیں ٹھیک وہی لباس پہننے لگی ہیں جو یورپین عورت پہنتی ہے تاکہ اصل اور نقل میں کوئی فرق ہی نہ رہے اور اس سے بھی بڑھکر کمال یہ ہے۔ کہ ترکی خواتین کے فوٹو بارہا اس ہیئت میں دیکھے گئے ہیں کہ غسل کا لباس پہنے ساحل سمندر پر نہا رہی ہیں۔

وہی لباس جس میں تین چوتھائی جسم برہنہ رہتا ہے اور ایک چوتھائی حصّہ اس طرح پوشیدہ ہوتا ہے کہ جسم کے سارے نشیب و فراز سطح لباس پر نمایاں ہو جاتے ہیں۔

کیا قرآن اور کسی حدیث سے اس شرمناک طرز زندگی کے لئے بھی کوئی جواز کا پہلو نکالا جا سکتا ہے؟ جب تم کو اس راہ پر جانا ہے تو صاف اعلان کرکے جاؤ کہ ہم اسلام سے اور اس کے قانون سے بغاوت کرنا چاہتے ہیں۔ یہ کیسی ذلیل منافقت اور بددیانتی ہے کہ جس نظام معاشرت اور طرز زندگی کے اصول، مقاصد اور عملی اجزاء میں سے ایک ایک چیز کو قرآن حرام کہتا ہے اسے علی الاعلان اختیار کرتے ہو، مگر اس راستہ پر پہلا قدم قرآن ہی کا نام لیکر رکھتے ہو تاکہ دنیا اس فریب میں مبتلا رہے کہ باقی قدم بھی قرآن ہی کے مطابق ہوں گے۔

اعتذار

ہم معذرت خواہ ہیں کہ ماہ مئی کے شمارے میں باوجود پوری احتیاط کے جلدی کے باعث بعض غلطیاں رہ گئیں۔

★ بیگم نجم منور علی صاحبہ کے مضمون 'پاکستانی عورت کے لئے لمحہ فکریہ' میں صفحات کی ترتیب غلط ہو گئی ہے۔ اُس مضمون کو درج ذیل ترتیب کے ساتھ پڑھا جائے: صفحہ ۱۱۵ کے بعد ۱۱۸، پھر ۱۱۷، پھر ۱۱۶، اور اُس کے بعد ۱۱۹، اور ۱۲۰۔

★ صفحہ ۸ پر نیچے حاشیے میں جو قطعہ مذکور ہے اُس پر شاعر کا نام درج ہونے سے رہ گیا ہے۔ نوٹ فرما لیجئے وہ قطعہ ملک کے نامور شاعر 'مسٹر دہلوی' کا ہے۔

— مزید برآں 'ضمیمہ میثاق' میں جو کہ بالکل آخری وقت میں بہت عجلت میں شامل شمارہ کیا گیا تھا، کتابت کی کئی ایک غلطیاں رہ گئی ہیں۔

ان فرد گذاشتوں پر ہم قارئین اور خصوصًا بیگم نجم منور علی سے معذرت خواہ ہیں جنکے مضمون کی ترتیب بالکل الٹ ہو کر رہ گئی۔

توقع ہے کہ ہماری مجبوریوں کو مدنظر رکھتے ہوئے قارئین ہمیں معذور سمجھیں گے وجہ یہ ہے کہ اُس خصوصی اشاعت کی تمام تر تیاری کیلئے ہمیں ایک ماہ سے بھی کم وقت مل سکا تھا۔

(ادارہ)

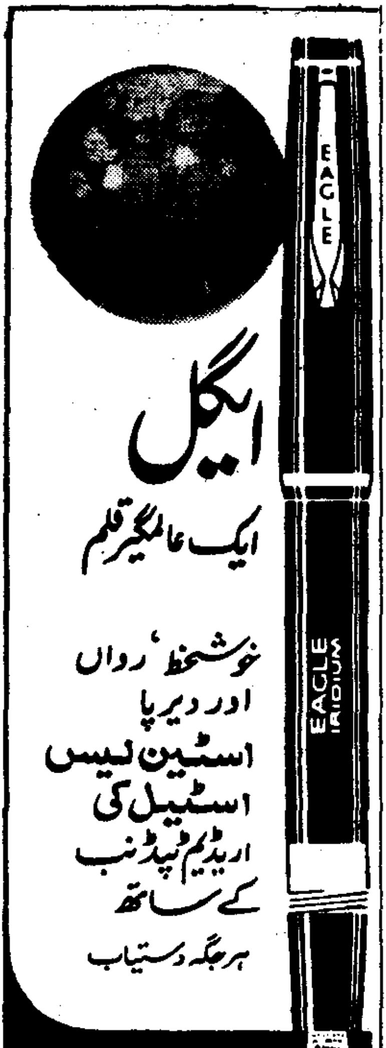

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ
اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا
بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

pti

PREMIER TOBACCO INDUSTRIES LIMITED

تنظیمِ اسلامی

کا

ساتواں سالانہ اجتماع

مرتبہ: جمیل الرحمٰن

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اصولی و انقلابی تنظیموں اور تحریکوں کے سالانہ اجتماعات بڑی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان میں مختلف علاقوں کے رفقاء باہم ایک دوسرے سے متعارف ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے حالات سے واقفیت حاصل کرتے ہیں گذشتہ کارکردگی اور رفتار کار کا جائزہ لیا جاتا ہے اور مستقبل کے لئے توسیع دعوت کی منصوبہ بندی کی جاتی ہے۔ ساتھ ہی تنظیم و جماعت کے اساسی اصول اور طریقۂ کار کے سلسلے میں غور و فکر کے نتیجے میں اطمینان کیا جاتا ہے۔ تنظیم نے ان دونوں اہم پہلوؤں سے جو مبادی اور منہاج اختیار کیا تھا۔ اس سے انحراف تو نہیں ہوا! یا یہ کہ ان میں سے کسی پر نظر ثانی کی ضرورت تو محسوس نہیں ہوئی۔ مزید برآں دعوت کو پھیلانے کے نئے نئے مواقع اور گوشے سامنے آتے ہیں اور رفقاء ایک جذبہ صادق اور ولولۂ تازہ لے کر اپنے اپنے مستقر کی طرف مراجعت کرتے ہیں

بحمد اللہ تنظیم اسلامی کا ساتواں سالانہ اجتماع ۳۰ اپریل تا ۴ مئی ۸۲ء قرآن اکیڈمی لاہور میں منعقد ہوا۔ جس میں پاکستان میں مختلف مقامات پر مقیم رفقائے تنظیم بڑے ذوق و شوق کے ساتھ شریک ہوئے۔

جمعہ ۳۰ اپریل کو اجتماع کا غیر رسمی آغاز تو امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے خطبہ جمعہ سے ہوا۔ جس میں موصوف نے " انقلاب اسلامی کے مراحل" کے موضوع پر جو تین چار جمعوں سے چل رہا تھا۔ اسی موضوع کے تسلسل میں ایک گھنٹے کا خطاب " دعوت و تربیت کا مرکز و محور —— قرآن مجید" کے موضوع پر فرمایا —— نماز مغرب کے بعد قرآن اکیڈمی میں سورۃ المؤمن کے چھٹے رکوع کا درس ہوا۔ یہ اسی درس کا حصہ ہے جو تقریباً سات سال قبل سورۃ الفاتحہ سے شروع ہو کر تسلسل کے ساتھ سورۃ المومن تک بفضلہ تعالیٰ پہنچ گیا ہے —— حسب دستور

درس کے بعد تقریباً پون گھنٹے تک سوال و جواب کی نشست رہی۔

یکم مئی ۸۲ء بروز ہفتہ یوم مئی کی عام تعطیل تھی۔ لہٰذا صبح کی نشست کو افتتاحی خطاب کے لئے اجتماع عام کی شکل دے دی گئی تھی۔ چنانچہ یہ نشست صبح نو بجے سے شروع ہو کر نماز ظہر تک جاری رہی۔

اس نشست میں رفقاء تنظیم کے علاوہ شہر لاہور سے کثیر تعداد میں خواتین و حضرات شریک ہوئے۔ جامع قرآن اکیڈمی کا وسیع و عریض ہال شرکاء سے کھچا کھچ بھر گیا تھا۔ گیلری اور باہر چبوترے پر دریاں بچھا کر لوگوں کے لئے نشست کا انتظام کیا گیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماع کی افتتاحی عام نشست میں اتنی کثیر حاضری تھی۔ حالانکہ موسم گرم تھا۔ حبس کی کیفیت تھی۔ پھر شہر سے قرآن اکیڈمی کا فاصلہ بھی کافی ہے اور کوئی بس یا منی بس روٹ بھی نہیں ہے اچھے خاصے فاصلے سے پیدل چل کر لوگوں کو اکیڈمی پہنچنا ہوتا ہے۔

امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا یہ خطاب دراصل اسی موضوع "انقلاب اسلامی کے مراحل" کی کڑی تھی جو مسجد دارالسلام میں تین چار جمعوں سے مسلسل جاری تھا۔ اس خطاب علم کا موضوع تھا "تنظیم اور جہاد و قتال"۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے اسلامی دعوت و انقلاب کے مختلف مراحل پر اجمالی اور خاص اس موضوع پر قرآن حکیم اور سیرت مطہرہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی روشنی میں سیر حاصل گفتگو کی۔ یہ خطاب سوا نو بجے شروع ہو کر سوا بارہ بجے (تین گھنٹے) تک جاری رہا۔ اس کے بعد تقریباً پون گھنٹہ سوال و جواب کا سلسلہ جاری رہا۔ خطاب اور سوالات ریکارڈ کر لئے گئے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو یہ اور اس اجتماع کی مفصل روداد میثاق میں یا کتابی شکل میں شائع ہوں گے۔ اس اجتماع کی متعدد نشستیں منعقد ہوئیں۔ ۴ مئی کی نشست میں امیر محترم نے ایک مفصل اختتامی خطاب فرمایا۔ جس کا ملخص پیش خدمت ہے۔

بلڈنگ ہارڈ ویئر کے سامان کیلئے ہمیں خدمت کا موقعہ دیجئے

موسیٰ ہارڈ ویئر اسٹور

۱۸۱ نشتر روڈ (برانڈرتھ روڈ) لاہور، فون: ۶۴۴۵۵

اختتامی خطاب

ڈاکٹر اسرار احمد (امیر تنظیم اسلامی)

بموقع ساتواں سالانہ اجتماع !!

الحمد للہ احمدہٗ واستعینہٗ واستغفرہٗ واٗومن بہ واتوکل علیہ
اعوذ باللہ من شرور نفسی ومن سیئات اعمالی۔ اما بعد
فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدٰنَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَا
اَنْ ھَدٰنَا اللّٰہُ۔ صدق اللہ العظیم ! اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سیدنا و
مولانا محمد وبارک وسلم وصل وسلم وبارک علی جمیع الانبیاءٗ
والمرسلین وعلی ملائکتک المقربین وعلی عبادک الصالحین وعلینا
معھم یا ارحم الراحمین۔ آمین یا رب العالمین!

محترم رفقاءِ تنظیم !

عام طور پر تنظیم کے سالانہ اجتماعات میں میری جو آخری گفتگو ہوتی رہی ہے۔ اس میں غالباً کچھ بے اطمینانی کچھ تشویش اور کچھ مایوسی کا اظہار اور ان کے اسباب کا بیان زیادہ ہوتا رہا ہے۔ ویسے یہ تقاضۂ فطرت بھی ہے اور کسی کام کے صحیح رُخ پر آنے کے لئے اغلباً ضروری بھی ہے کہ اطمینان اور بے اطمینانی کا ایک امتزاج ہر وقت موجود رہے۔ اس کو اگر آپ اپنے ذہن میں اس چیز کیساتھ متعلق کریں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک بندۂ مومن کا صحیح طرزِ عمل بین الخوف والرجاء ہے یعنی امید وبیم کے مابین۔ اب ظاہر ہے کہ اس میں بھی نشیب و فراز ہوتے ہیں کبھی رجائیت اور پُر امید ہونے کی کیفیت غالب آجاتی ہے اور کبھی مایوسی کا غلبہ زیادہ ہوجاتا ہے۔ اس میں دخل ہوتا ہے انسان کی باطنی، داخلی اور نفسیاتی کیفیات کا۔ جس کو ہمارے صوفیاء کرام نے قبض و بسط کی اصطلاحات سے تعبیر کیا ہے۔ یہ سب کچھ کبھی طبیعت میں بلا سبب اور از خود ہوتا ہے جس کو انگریزی میں

e i s m ۱ ۲ ۱ ۲ ۱ یعنی داخلی وخارجی اثر پذیری کہا جاتا ہے۔ انسان کے باطنی وجود میں یہ سائیکل چلا کرتے ہیں۔ کبھی انقباض کی طرف طبیعت کا رجحان ہوتا ہے۔ اور کبھی انبساط اور انشراح کی طرف۔ یہ وہ چیز ہے جس کو میں فطرت سے تعبیر کرتا ہوں۔ اس کا کسی شخص، کسی تنظیم اور کسی کام کی پیشرفت یا تساہل میں بڑا عمل دخل ہوتا ہے۔ اس کو غالب نے یوں ادا کیا ہے عمر کتی ہے میری طبع تو ہوتی ہے رواں اور، ہر قبض کے بعد ایک بسط آتا ہے جو کسی بھی بامقصد شخص کو آگے دھکیلنے کے لئے گویا مہمیز کا کام کرتا ہے۔ قرآن مجید کے آخری پارے کی سورتوں میں سورۃ الضحیٰ اور سورۃ الشراح یہ دونوں سورتیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی داخلی کیفیات سے بہت گہری مناسبت رکھتی ہیں۔ جن حضرات کو دین کے اس پہلو سے دلچسپی ہے اور جو میرے نزدیک صوفیاء کرام ہیں جن کی خصوصیت (Specialisation) ہی انسان کی باطنی کیفیات ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ قبض کی کیفیت کا بہترین اور مؤثر علاج قرآن حکیم میں سے سورۃ والضحیٰ ہے۔ اس لئے کہ اس سورت میں اصل میں اسی کیفیت کے عالم میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے خطاب کیا گیا ہے۔ اس سورۃ کا انداز دلجوئی تسلی اور تشفی کا ہے۔ کسی سبب سے طبیعت پر مایوسی کا غبار چھا رہا ہو۔ کسی درجے میں بددلی کی سی کیفیت ہو تو اس کے ازالے کے لئے یہ سورہ مبارکہ اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ اسی کے ساتھ سورۃ الانشراح بھی ان ہی اوصاف کی حامل ہے۔ صحابہ کرامؓ میں سے بعض حضرات تو اس کو ایک ہی سورت قرار دیتے تھے اور ان دونوں کے درمیان فصل کے لئے بسم اللہ کے بغیر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک رکعت میں پڑھتے تھے۔ ان دونوں میں مضامین کا بڑا گہرا تعلق اور تسلسل ہے۔ ویسے یہ بات جان لیجئے کہ متفق علیہ بات یہ ہے کہ یہ علیحدہ علیحدہ دو سورتیں ہیں۔ بہرحال کبھی اطمینان اور کبھی بے اطمینانی، کبھی پر امید ہونا اور کبھی مایوسی، کبھی انشراح اور کبھی انقباض، کبھی بسط اور کبھی قبض کی کیفیات کا ہونا جیسا کہ میں نے عرض کیا فطرت سے مطابقت رکھنے والی بات ہے اور یہ کیفیات آگے بڑھنے میں ممد و معاون ثابت ہوتی ہیں ——— گو مایوسی اور بددلی کے پہلو سے میں اس وقت بھی یکسر خالی نہیں ہوں۔ لیکن میں نے یہ دیکھا ہے کہ گذشتہ سالانہ اجتماع کے موقع پر میں نے جو اختتامی تقریر کی تھی، وہ تو میں بھول بھی گیا تھا۔ یہ تو تنظیم کے اجتماعات کی رودادوں اور خاص طور پر پچھلے سالانہ اجتماع کی مفصل روداد کا طبع ہو جانا خاص طور پر میرے لئے مفید ہوا۔ اقرا کتابچہ کی یہ ایک مثال ہے۔ اگرچہ میں نے ان کو پوری طرح ابھی پڑھا نہیں ہے۔ ایک سرسری سی نظر ڈالی ہے۔ بے اطمینانی اور بددلی کے جو وجوہ ہو سکتے ہیں

ان پر میں بڑی تفصیل سے گذشتہ اجتماع میں گفتگو کر چکا ہوں اور وہ اب مطبوعہ شکل میں آپکے سامنے ہیں۔ ان کا آپ مطالعہ کریں تو وہ ساری چیزیں آپ کے سامنے ہوں گی۔ اس اعتبار سے کوئی بڑا فرق ہمارے حالات میں واقع نہیں ہوا ہے۔ بلکہ کم و بیش وہی اسباب اب بھی موجود ہیں

آج میں تصویر کا جو دوسرا رخ ہے اس کے پہلو سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ اطمینان کی بھی ہمارے لئے کچھ وجوہ ہیں یا نہیں ہیں! اگر ہیں تو وہ کیا ہیں! اس ضمن میں ایک تو ہیں بنیادی خطوط (Base lines)۔ ان کے متعلق میں بارہا اظہار خیال کر چکا ہوں۔ لہٰذا اس وقت تو میں ان کا اختصار کے ساتھ ذکر کروں گا ــــ ان اطمینان بخش لمحات میں جبکہ قبض کا غلبہ نہیں ہوتا۔ بلکہ آدمی کی کچھ ہمت بندھی ہوئی ہے اور وہ حوصلہ ہار نہیں بیٹھتا تو ان کیفیات میں میرے لئے اطمینان کی وجوہ دو باتوں پر مبنی ہوتی ہیں۔ پہلی یہ کہ یہ بھی بہت بڑی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہمت عطا فرمائی اور میں نے اس کام کا آغاز کیا۔ جبکہ میں بھی یہ نہیں سمجھتا تھا کہ کوئی آسان کام ہے اور کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ کوئی آسان کام ہے۔ بلکہ ہمارے تجربے میں یہ باتیں ہیں کہ بڑی بڑی شخصیتیں، اصحاب علم و فضل اور اصحاب تدین و تقویٰ جو تقریباً ایک ہی زمانے میں جماعت اسلامی سے الگ ہوئے۔ لیکن اس کام کی ہمت کوئی نہ کر پایا۔ بعض حضرات نے تو بڑی وضاحت سے اعتراف کیا کہ ہمارے اندر تو اس کی صلاحیت ہی نہیں ہے البتہ کوئی اور یہ کام لے کر کھڑا ہو تو ہم اس کے ساتھی بن سکتے ہیں۔ اگرچہ یہ بات بالفعل ممکن نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ ان کا علم، ان کا تقویٰ، ان کا تدین، ان کی عمر، ان کا تجربہ ان کو اپنی رائے میں پختہ بنا دیتا ہے۔ اور جو شخص کام کا بیڑہ اٹھاتا ہے، وہ فعال ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے غور و فکر کی صلاحیت اور اپنے کام کی منازل و مراحل معین کرنے کا فہم اور سابقیت بھی عطا کی ہے تو اس کے لئے یہ ممکن نہیں ہوتا کہ وہ اپنے فہم اور اپنے فکر سے بالکل مستغنی ہو کر کسی دوسرے شخص کا تابع مہمل بن جائے۔ یہ بات صرف کہنے والی بات ہوتی ہے۔ عملاً ممکن نہیں ہوتی۔ بہرحال نتیجہ یہ نکلا کہ وہ حضرات رفتہ رفتہ اس کام سے بالکل دست کش ہو گئے۔ بعض حضرات کا یہ معاملہ ہوا کہ رفتہ رفتہ ان میں ایک فکری انقلاب بھی آیا۔ اور یہ حضرات جماعتی زندگی کی اہمیت ہی کو تدریجاً کم کرتے کرتے اس کی نفی کی حد تک بھی پہنچ گئے۔ ان حالات میں میں سمجھتا ہوں کہ میری کسی صلاحیت اور قابلیت کو دخل نہیں ہے بلکہ یہ خالصتہً اللہ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے اس کام کا داعیہ میرے قلب و ذہن میں جازم فرمایا اور پھر مجھے اس کام کی ہمت عطا فرمائی ــــ یہ بات ذہن میں رکھیے

کہ کسی داعیہ کی بنیاد پر ہی کوئی داعی بن سکتا ہے۔ جہاں یہ داعیہ نہ ہو انسان داعی نہیں بن سکتا وہ عالم ہو سکتا ہے، مفکر و مفسر ہو سکتا ہے، معلم و مدرس ہو سکتا ہے، فلسفی و مفتی ہو سکتا ہے۔ بہت کچھ ہو سکتا ہے لیکن داعی نہیں بن سکتا۔ اس کے لئے یہ داعیہ ہونا ضروری ہوتا ہے۔ بس ان تمام مراحل سے گذرتے ہوئے اس داعیہ کا میرے قلب میں برقرار رہنا صرف اللہ کی توفیق سے ہوا۔ اسی لئے میں نے آج کی گفتگو کے لئے سورۃ الاعراف میں وارد شدہ ان الفاظ مبارکہ کو عنوان بنایا ہے کہ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۔ اصل میں تو یہ قول ان مومنین صالحین کا نقل ہوا ہے جو جب جنت میں داخل ہونگے تو اس داخلے کے موقع پر وہ سجدۂ شکر بجالائیں گے اور ان کی زبان پر ترانہ شکر آئے گا اور وہ اس بات کا اقرار کریں گے کہ یہاں تک ہمارا پہنچ جانا ہماری کسی ذاتی قابلیت، صلاحیت اور اہلیت کا نتیجہ نہیں بلکہ سراسر اللہ کا فضل و کرم اور اس کی دین اور اس کی توفیق پر ہے۔ اسی کی سی ایک کیفیت اس معاملہ میں، میں اپنے قلب میں محسوس کرتا ہوں ـــــ اس اطمینان کی دوسری وجہ یہ ہے کہ جس کام کی اللہ تعالیٰ نے ہمت دی، توفیق دی، ارادہ بخشا جس کے نتیجے میں آج سے سات سال قبل جو چھوٹا سا قافلہ ترتیب پایا تھا، الحمدللہ ثم الحمد للہ وہ منتشر نہیں ہوا۔ اسی کے ساتویں سالانہ اجتماع میں بفضلہ تعالیٰ آج ہم سب جمع ہیں۔ کچھ تھوڑی سی توڑ پھوڑ البتہ ضرور ہوئی ہے۔ معدودے چند رفقاء (بمشکل تین چار) ایسے ہیں، جو ہم سے اختلاف کی بنیاد پر اس قافلے کو چھوڑ کر چلے گئے ہیں، کچھ وہ رفقاء علیحدہ ہوئے جو ابتداء میں اس عزم کے ساتھ شامل ہوئے تھے کہ وہ اپنی مجبوریوں پر قابو پالیں گے۔ لیکن وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ کچھ رفقاء کو ہمیں از خود ان کی عدم دلچسپی اور نظم کی مسلسل عدم پابندی کی وجہ سے علیحدہ کرنے کا مجبوراً فیصلہ کرنا پڑا۔ ورنہ اللہ کے فضل و کرم سے یہ قافلہ کسی بڑی شکست و ریخت سے تاحال محفوظ ہے۔ اور نہ صرف محفوظ ہے بلکہ چاہے کتنا ہی سست رفتار ہے، آگے بڑھ رہا ہے ـــــ یہ دونوں چیزیں مل کر ایک بن جاتی ہیں اور ان کو بحیثیت مجموع میں کہتا ہوں کہ یہ اطمینان کی Base line ہے۔ اس لئے کہ یہ بات انتہائی قابلِ غور ہے کہ جماعت بنانا آسان کام نہیں۔ کوئی اگر محض ایک شغل اور Hobby سمجھ کر یہ کام کرنا چاہے تو بظاہر بہت آسان لگتا ہے، لیکن ایسی جماعتیں چلتی نہیں ہیں بلکہ ان کے ساتھ "ادھر بنیں اور ادھر ختم ہوگئیں" والا معاملہ ہوتا ہے کہ "اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے"۔ وہ اس کا مصداق بنتی ہیں۔ لہٰذا یہ بات بہر حال

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا بہت بڑا مظہر ہے اور ہمارے اطمینان کی ایک Base Line ہے کہ جو قافلہ ترتیب پایا تھا وہ منتشر نہیں ہوا کسی بڑی شکست و ریخت سے دوچار نہیں ہوا۔ وہ قائم ہے اور خواہ وہ کتنا ہی سست رفتار ہے لیکن بہر حال اس میں کسی نہ کسی درجے میں ترقی ہو رہی ہے اور قافلہ آگے بڑھ رہا ہے۔

اب ان Base Lines سے اوپر بھی چند معاملات ایسے ہیں جو وجوہ اطمینان میں شامل ہیں۔ ان کو میں دو حصوں میں تقسیم کر کے آپ کے سامنے رکھوں گا۔ ایک وجہ اطمینان وہ ہے جو مطلقاً اطمینان بخش ہے جس میں کوئی پہلو کم از کم میرے لئے باعث تشویش نہیں ہے۔ وہ اطمینان ہی اطمینان کا معاملہ ہے۔ ان چیزوں کا میں آج تحدیث نعمت کے طور پر ترتیب وار ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

ان میں سر فہرست بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چند ایسے رفقاء عطا فرما دیئے جو اس کام میں میرے دست و بازو ہیں۔ ان میں سے تین وہ رفقاء ہیں، جنہوں نے اپنے آپ کو ہمہ تن اس کام میں لگا دیا ہے۔ ان حضرات میں سے ایک اعتبار سے سر فہرست میرے نزدیک قاضی عبد القادر صاحب ہیں ــــــ اس سے پہلے جماعت اسلامی میں کچھ لوگوں نے خود کو ہمہ وقت اور ہمہ تن جماعت کے سپرد کر دیا تھا۔ جس میں نمایاں مثال میاں طفیل محمد صاحب کی ہے۔ ان میں اور قاضی صاحب کی مثال میں بڑا فرق ہے۔ وہ بالکل نوجوانی کیوقت گرفتار ہوئے تھے۔ ابھی انہوں نے باقاعدہ اپنے پروفیشن کا آغاز نہیں کیا تھا۔ یہ معاملہ اور ہوتا ہے اور یہ امر کہ ایک شخص ادھیڑ عمر کو پہنچا ہوا اور ایک بھرپور عائلی ذمہ داریاں رکھتے ہوئے اور طویل ترین سروس کے تمام Benefits اور اس کی جو بھی مستقبل کے بارے میں اطمینان بخش باتیں ہوتی ہیں، جو Suritias ہوتی ہیں جن کو دنیا میں Securities of employment کہا جاتا ہے اور جو دنیوی نقطہ نظر سے قابل وقعت ہوتی ہیں۔ ان سب کو تج کر کے خود کو تنظیم کے لئے وقف کر دینا ایک بہت بڑا انقلابی، قابل رشک اور قابل تحسین اقدام ہے۔ خاص طور پر اس کا فیصلہ اس عمر اور ان حالات میں کرنا اور پھر اس فیصلے کے ساتھ کرنا کہ وہ اس کا کوئی معاوضہ قطعاً نہیں لیں گے۔ انہوں نے اپنی کفالت کے لئے اپنے کراچی والے مکان کو کرایہ پر چڑھا دیا ہے۔ اسی کی آمدنی پر وہ قناعت کر رہے ہیں۔ یہ بالکل منفرد بات ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا ان پر فضل و کرم ہے کہ اس نے ان کو اپنے دین کی خدمت

کی توفیق بخشی۔ ان کو ملازمت سے مستعفی ہوئے ایک سال گزر گیا ہے۔ الحمدللہ پچھتاوے اور مڑکر دیکھنے کے مرحلے سے وہ توفیقِ الٰہی سے گذر چکے ہیں ـــــ قاضی صاحب نے جو عزیمت کی راہ اختیار کی ہے اس ضمن میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل و کرم اور اختیار سے ان کے لئے آسان اور نرم بنادے ـــــ دوسرا معاملہ عبدالرزاق صاحب کا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ کراچی میں ان کی ملازمت تھی اور یہاں بھی ان کی کفالت کا انتظام ہو گیا ہے اور جو فوری نوعیت کی ضروریات کا معاملہ ہوتا ہے، اس میں کوئی بڑا فرق نہیں آنے دیا گیا۔ لیکن پھر بھی بات کہ ایک جمے ہوئے اور بڑے نیم سرکاری ادارے کو چھوڑنا Securities of Employment سے ہاتھ دھونا اور پھر اس ملازمت میں جو Benefits تھے، جن کا حساب کتاب کیا جائے تو وہ بہت بن جاتے ہیں ـــــ تو ان سب سے میرے حکم پہ لبیک کہتے ہوئے دست کش ہونا میرے نزدیک یہ عبدالرزاق صاحب کا بہت بڑا ایثار اور بہت جرأت مندانہ اقدام ہے۔ جس کی میں بہت قدر کرتا ہوں اور آپ بھی اس کی قدر کیجئے۔ ان کے لئے بھی میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس پر ان کو استقامت عطا فرمائے ـــــ اس کے ساتھ تیسرا نام جو میں شامل کر رہا ہوں وہ بھائی جمیل الرحمٰن صاحب کا ہے۔ بعض اعتبارات سے میرے نزدیک ان کا معاملہ ان دونوں سے بھی آگے ہے۔ انہوں نے میرے ہی کہنے سے اپنی برادری کے ادارے سے جہاں وہ بحیثیت Paid Secretary تقریباً چوبیس سال سے کام کر رہے تھے۔ ۷۶ء میں مستعفی ہو کر اکتوبر ۱۹۷۶ء سے لاہور منتقل ہو گئے تھے۔ دس ماہ تک انہوں نے انجمن کے ناظم دفتر کی حیثیت سے کام کیا۔ ان کا معاملہ یہ تھا کہ بچے ہوشیار ہو گئے تھے اور کام پر لگ گئے تھے۔ پھر وہ ایک کاروبار میں Sleeping Partner بھی تھے۔ اس لئے ان کے معاش کا کوئی بڑا مسئلہ نہیں تھا۔ اس دس ماہ کے دوران انجمن سے ان کو جو معاوضہ ملا وہ اس سے کم تھا جو ان کو اپنی برادری کے ادارے سے ملتا تھا۔ اگست ۷۷ء میں انہوں نے انجمن کی ذمہ داری سے سبکدوشی کے لئے کہا اور اپنے وقت کی بلا کسی معاوضہ تنظیم کیلئے پیشکش کی جو میں نے قبول کرلی۔ چونکہ وہ اپنے گھر والوں کو لاہور نقل مکانی کے لئے آمادہ نہ کر سکے اور ان کا کراچی آنا جانا رہا۔ اس لئے میں نے ان کو کوئی مستقل ذمہ داری نہیں سونپی۔ اس دوران ان کی برادری کے ادارے کے ذمہ داران کی طرف سے اصرار کی حد تک اور معقول مشاہرے پر ان کو واپس اپنی پوسٹ پر آنے کے لئے کہا گیا۔ لیکن انہوں نے قبول نہیں کیا اور اس وقت سے بھائی جمیل صاحب

نے بغیر ایک پیسے کے معاوضے کے یہاں اپنے آپ کو لگا رکھا ہے۔ اس کا صحیح اندازہ مجھے ہے حالانکہ وہ صرف صاحب اولاد ہی نہیں صاحب اصحاب بھی ہیں۔ اب ماشاء اللہ ان کے نواسے نواسیوں اور پوتے پوتیوں کی اچھی خاصی تعداد ہے۔ پھر ان کو اپنے خاندان اور برادری میں ایک باوقار مقام حاصل ہے۔ اس عمر میں جو گھریلو آسائش ضروری ہوتی ہے اور جس خدمت کی ضرورت ہوتی ہے، وہ ظاہر بات ہے کہ یہاں موجود نہیں ہیں۔ ان سب کے باوجود وہ یہاں آکر جو سختی جھیلتے ہیں اور اپنے اوقات کا عام حصہ دعوت اور تنظیم کے کاموں میں لگاتے ہیں وہ میرے نزدیک ان کا بہت بڑا ایثار اور قربانی ہے میں ان کیلئے بھی دعا کرتا ہوں کہ ان کی یہ قربانی ان کے لئے توشہ آخرت ثابت ہو۔ میں ان تینوں رفقاء کے لئے بلکہ میں ابھی چند دوسرے حضرات کا بھی ذکر کرنے والا ہوں، ان سب کے لئے میں خاص طور پر آپ سے کہوں گا کہ مستقل طور پر ان لوگوں کو اپنی دعاؤں میں شامل رکھئے میں ان تمام حضرات کو اپنا محسن تو سمجھتا ہی ہوں، میرے نزدیک یہ سب ہماری تنظیم اور تحریک کے محسنین میں سے ہیں جنہوں نے یہ انقلابی قدم اٹھایا ہے۔

دوسرے نمبر پر تین ہی رفقاء ایسے ہیں کہ اپنی اپنی ملازمتوں سے استعفیٰ دینے والی بات اگرچہ ابھی نہیں آئی ہے لیکن وہ طے کر چکے ہیں کہ اب ادھر کا رُخ نہیں کرنا ہے۔ بلکہ ہمہ وقت و ہمہ تن اسی کام میں خود کو کھپانا اور ... کرنا ہے۔ چند ٹیکنیکل قسم کی وجوہ فی الحال حارج ہیں۔ جیسے طویل سروس ہو چکی ہے جتنی چھٹیوں کی گنجائش ہے ان کو ... کیا جائے۔ یا اگر کسی کی Retirement قریب ہو تو یہ عرصہ گذار دیا جائے تاکہ پنشن کے حقوق کی سہولت حاصل ہو سکے۔ اس وجہ سے ان رفقاء کا اپنی ملازمتوں سے مکمل انقطاع نہیں ہوا ہے۔ لیکن یہ رفقاء فیصلہ کر کے اور یکسو ہو کر ہمہ وقت اور ہمہ تن یہاں آکر کام میں لگ گئے ہیں۔

ان میں سے میرے نزدیک سر فہرست قمر سعید صاحب ہیں۔ انہوں نے جس طریقہ سے یہاں آکر اپنے آپ کو کھپایا ہے اور وہ اس وقت جتنی سختی اپنے اوپر جھیل رہے ہیں، اس میں خود ہمارے لئے ایک سبق اور درس بھی ہے کہ ان کو دیکھ کر دوسروں کو بھی حوصلہ ہو۔ وہ کوئی معاوضہ اس وقت تنظیم یا انجمن سے نہیں لے رہے۔ جب کہ وہ ہمہ وقت اسی کام میں لگے ہوئے ہیں۔ انجمن اور تنظیم کے مکتبے اور میثاق کی طباعت اور ترسیل کا تمام کام انہوں نے سنبھال رکھا ہے اور وہ اسے باقاعدہ منظم کر رہے ہیں۔ ان کا ایک چھوٹا سا کام ہے جس سے ان کی

معاش کا سلسلہ چل رہا ہے۔ میں آپ حضرات کو ان کو بھی اپنی خصوصی دعاؤں میں یاد رکھنے کے لئے کہتا ہوں ـــــ دوسرے رفیق اسی فیصلے کے ساتھ ہمہ وقتی طور پر تنظیم کو اپنی خدمات پیش کر چکے ہیں اور مرکز میں آکر بیٹھ گئے ہیں۔ انہوں نے مرکز کا ایک شعبہ سنبھال لیا ہے ـــــ تیسرے رفیق حنیف ورک صاحب ہیں جنہوں نے ہائی سکول کی اپنی ملازمت ترک کرنے کا قطعی فیصلہ کر لیا ہے، وہ انجمن کی فیلو سکیم میں شامل ہیں۔

تیسرے نمبر پر وہ چار نوجوان ہیں کہ جنہوں نے رفاقت اسکیم میں شمولیت اختیار کی ہے اس ضمن میں میرے لئے جو اطمینان در اطمینان والی بات ہے وہ یہ ہے کہ الحمدللہ اس میں دو بیٹے میرے بھی شامل ہیں۔ ان میں میرے نزدیک سرفہرست عبدالسمیع صاحب ہیں جن کی فیصل آباد میں اچھی بھلی جمی ہوئی پریکٹس تھی۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے دوسرے بہت سے حالات سازگار تھے۔ مثلاً کوئی لمبی چوڑی خاندانی commitment اور Liabilities ان کے ذمے نہیں تھیں۔ بایں ہمہ اپنی جمی ہوئی پریکٹس کو چھوڑنا اور اپنے والدین کو ناراض نہیں تو ملول کرنا ایک سخت مرحلہ تھا جس سے وہ بحمداللہ کامیابی سے گزرے ہیں۔ پھر عارف رشید سلمہٗ کا معاملہ ہے۔ جیسا کہ میں نے کئی مرتبہ ذکر کیا ہے کہ دورانِ تعلیم ایک دو باران کی طرف یہ خیال آیا تھا کہ میں تعلیم چھوڑ دوں۔ جبکہ میں نے اصل کام دعوت ہی کا کرنا ہے اور زندگی کا مقصد یہی ہے۔ لیکن میں روکتا رہا تھا کہ یہ چیز ان کی اپنی نفسیات میں بھی ایک داغ کی حیثیت سے رہ سکتی ہے۔ دوسروں کے سامنے یہ بات ہمیشہ اس پہلو سے آئے گی کہ شاید وہ تعلیم کی کٹھن چڑھائی چڑھ نہ سکے اس لئے چھوڑ آئے۔ اور یہ بات ہمیشہ کیلئے ایک نفسیاتی گرہ بن جاتی۔ لہٰذا میں مُصر رہا کہ وہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد شعوری طور پر فیصلہ کریں۔ ـــ ایم بی بی ایس کرنے کے بعد میں نے ان کے ارادے میں کچھ ضعف محسوس کیا۔ بہرحال شیطان تو اپنا کام کرنے میں لگا ہی رہتا ہے۔ لہٰذا جب اُنکے نام کے ساتھ چار حرفی ڈگری لگ گئی تو اڑھائی تین ہزار روپے کی ملازمت کی سروس تو فوری طور پر ملتی ہے۔ لیکن الحمدللہ یہ بہت مختصر سا ہچکچاہٹ کا وقفہ رہا اس میں خصوصی طور پر اس بات کا بھی دخل تھا جو کبھی کبھی انجمن کی سطح پر لوگوں کی طرف سے ریمارکس آجایا کرتے ہیں۔ ان کو خیال ہوا تھا کہ یہ نہ کہا جائے کہ یہ ایک خاندان کی اجارہ داری یہاں بنائی جا رہی ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس قسم کی باتیں دنیا میں ہوتی ہیں۔ ایسی باتیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بھی کہی گئی ہیں۔ ہم کس شمار و قطار میں ہیں۔ لیکن بہرحال

اندھا انسان ہوگا جو یہ دیکھتے ہوئے بھی کہ ڈگری کے چار حرف ساتھ تھے پھر یہ سمجھے کہ یہ فیصلہ کسی مالی منفعت کے لالچ میں ہوا ہے ـــــ تیسرے نمبر پر ریاض الحق صاحب کا معاملہ ہے۔ ان کو والدین سے اجازت لینے میں خاصی دشواری پیش آئی۔ ان کی ملازمت بھی ہوگئی تھی۔ یہ تعلیم کے لحاظ سے ایم ایس سی (علم حیاتیات) ہیں اور انہوں نے اپنے شعبے میں پوری یونیورسٹی میں ٹاپ کیا تھا۔ ملازمت میں Employment of Scientists والی بات تو ہوتی ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے ان کو ہمت دی وہ بھی فیلوشپ سکیم میں شامل ہوگئے ـــــ چوتھے نمبر پر عاکف سعید سلمہ ہیں جنہوں نے ابھی ایم اے (فلسفہ) کیا ہے۔ وہ بھی رفاقت اسکیم میں شریک ہوگئے۔ ساتھ ہی وہ ماہنامہ میثاق کی ترتیب و تدوین اور میری ذاتی نوعیت کی خط و کتابت میں بھائی جمیل صاحب کا ہاتھ بھی بٹا رہے ہیں۔ ماہنامہ حکمتِ قرآن کا جب اجراء ہوگا تو اس کا بہت سا کام بھی ان کے سپرد کرنے کا خیال ہے ـــــ میرے نزدیک یہ حضرات ہی میرا سب سے قیمتی اور اصل سرمایہ ہیں۔ اس لئے یہ جان لیجئے کہ تحریک ہو یا اکیڈمک نوعیت کے کام ہوں، یہ جز وقتی تعاون سے مضبوط بنیادوں پر آگے نہیں بڑھا کرتے۔ جز وقتی حضرات کے تعاون سے باہر دعوت کا دائرہ تو پھیلتا ہے اور اس میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن ان میں سے جتنے لوگ ہمہ وقتی طور پر آگے آئیں گے، اتنا ہی اس دعوت اور تحریک کے مستحکم بنیادوں پر آگے بڑھنے کا معاملہ ہوگا۔ ہماری رفتارِ کار اور پیش رفت جسے ٹھوس ترقی (Mathematical Progress) کہا جا سکے۔ وہ ایک اعتبار سے اس مسئلے سے متعلق ہے کہ کتنے لوگ اس کام کے لئے اپنے آپ کو ہمہ وقت اور ہمہ تن فارغ کر لیتے ہیں۔ اب یہ بات ثانوی درجے میں ہے کہ کس کے کیا حالات ہیں۔ کس کی کفالت کا کوئی انتظام ہے یا نہیں ہے۔ کس کی کفالت تنظیم کو اپنے ذمے لینی ہوگی۔ کون کس ذریعے سے اس کا بندوبست کر رہا ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے حالات ہیں اس میں عزیمت کی کمی بیشی بھی ایک کردار ادا کرتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ذہانت و صلاحیت کی کمی بیشی رکھی ہے وہ بھی فطری ساخت سے متعلق ہے جس کے متعلق قرآن مجید میں فرمایا گیا:ـــ

يَاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ	اے انسان کس چیز نے تجھے اپنے رب کی
الْكَرِيْمِ ۙ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ	طرف سے دھوکے میں ڈال دیا جس نے
فَعَدَلَكَ ۙ فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ	تجھے پیدا کیا۔ تجھے نوک پلک سے سنوارا اور

رَكَّبَكَ ۝ جس صورت میں چاہا تجھکو ترتیب دیا۔"

یعنی کسی میں ذہنی صلاحیت زیادہ ہے قوتِ کار کم۔ کسی میں قوتِ کار زیادہ ہے ذہنی صلاحیت کم۔ کسی میں ظاہری حسن و وجاہت زیادہ اور باطنی استعدادات کی کمی۔ کسی میں اس کے برعکس معاملہ ہے۔ تو یہ چیزیں اللہ کی خلّاقی کی مظہر ہیں۔ اسی طرح عزیمت اور حوصلے میں بھی کمی بیشی ہوتی ہے۔ جرأت و شجاعت میں بھی کمی ہوتی ہے۔ یعنی جن جن عناصر کے امتزاج سے اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق فرمائی ہے۔ اس میں کوئی دو انسان بھی ایک جیسے نہیں ہیں ـــ یہ درحقیقت اس ربّ کی خلّاقی اور قدرت و عظمت کا ایک مظہر ہے۔ یہ چیزیں میرے نزدیک ثانوی ہیں۔ لیکن ہمہ تن اور ہمہ وقت آکر اس کام میں لگ جانا' یہ ہے میرے نقطۂ نظر سے اصل چیز ـــ اس ضمن میں جتنے رفقاء فیصلہ کریں اور مرکز میں آکر مختلف شعبے سنبھالیں تو اتنی ہی ہماری یہ دعوت آگے بڑھے گی ـــ اور اس طرح جز وقتی کارکنوں کا حلقہ وسیع تر ہوتا چلا جائے گا۔ مقامی تنظیموں اور رفقاء کو مرکز سے رہنمائی بر وقت ملتی رہے گی اور تنظیم میں مضبوط بنیادوں پر توسیع ہوتی رہے گی ـــ میں نے اپنی افتتاحی تقریر میں بتایا تھا کہ ہر تحریک و دعوت کے اثرات اس طرح پھیلتے ہیں کہ بعض لوگ تو اس دعوت کی حامل تنظیم میں اس کا نظم قبول کر کے یعنی Committed ہو کر شامل ہو جاتے ہیں۔ اس سے وسیع تر حلقہ تنظیم کی دعوت کے مدد و معاون (Supporters) بنتے ہیں۔ اس سے وسیع ترین حلقہ ان کا ہوتا ہے جو دعوت سے متاثر ہوتے اور اس کے ذہناً و قلباً ہمخیال ہوتے ہیں ـــ پس کام اسی طرح پھیلے گا کہ مرکز مضبوط بنیادوں پر قائم ہو۔ یہ دائرہ پھیلے گا تو اسی تناسب سے تمام دائرے پھیلتے چلے جائیں گے ـــ لہٰذا اسمیں اصل مرکزی حیثیت (Nucleus) کا مقام ان ہی کا رہتا ہے جو ہمہ تن اور ہمہ وقت اسی کام کو اپنا نصب العین بنالیں بمصداق ارشادِ ربّانی :- اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ـــ اور اس کسوٹی پر پورے اترتے ہوئے اس کام میں شامل ہوں۔ یہ ہوتا ہے ایک اسلامی اصولی اور انقلابی تنظیم اور تحریک کا اصل سرمایہ۔

اس ضمن میں اکیڈمی میں 'رفاقت کی اسکیم کا اجراء' ذاتی طور پر اس وقت میرے لئے قابلِ اطمینان ہے اور یہ میرے ذہن سے بہت بڑے بوجھ کے اتر جانے کا ذریعہ بنا ہے۔ اس

لے رفاقت اسکیم کے لئے ملاحظہ فرمائیے "میثاق" کا اکتوبر/ نومبر ۱۹۸۱ء کا شمارہ (مرتب)

لئے کہ پندرہ برس پہلے ایک خیال و نظریہ پیش کیا۔ پھر دس سال قبل مرکزی انجمن خدام القرآن قائم کی جس کے پیش نظر 'قرآن اکیڈمی' کے قیام کا بھی متعین طور پر ایک ہدف رکھا۔ اسی وقت ایک صاحب خیر نے اس کے لئے ایک قطعہ زمین انجمن کو ہبہ کر دیا۔ اس کے بعد انجمن کا بیس پچیس لاکھ روپیہ اس کی تعمیر پر صرف ہو گیا۔ تو اب جو قرآن اکیڈمی میں تحقیق کے لئے جس کام کا آغاز ہونا تھا اس میں جو تاخیر ہو رہی تھی' وہ خود میرے اعصاب پر ایک بہت بڑا بوجھ تھا بعض دوسرے حضرات بھی اس تعویق پر پریشان تھے اور چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں۔ وہ نہ بھی ہوتیں تو بھی اپنی جگہ مجھے اس تاخیر پر بڑی تشویش تھی۔ لیکن رفاقت اسکیم' کے اجراء اور چھ اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوانوں کا اپنا بہتر مستقبل چھوڑ کر اس میں شامل ہو جانا' میرے لئے بہت ہی ادنیٰ درجہ میں ہلکا سا عکس اور پرتو ہے سورۃ الانشراح کے ان الفاظ مبارکہ کا:۔

وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ ۝ "اور تم پر سے وہ بھاری بوجھ نہیں
الَّذِي أَنقَضَ ظَهْرَكَ ۝ اتار دیا جو آپؐ کی کمر توڑے ڈال رہا تھا"

اس اعتبار سے میرے لئے اس اسکیم کا باقاعدہ اجراء میرے لئے بہت ہی سکون قلب کا موجب ہوا ہے۔ میں پھر اسی بات کا اعادہ کر رہا ہوں کہ یہ تمام کام ہی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے انجام پاتے ہیں اور اس اسکیم کے اجراء میں تو اس کا نہایت ہی خصوصی فضل و کرم شامل حال ہے۔ پھر یہ کہ اس میں میرے اپنے دو بچے بھی شامل ہیں ——— (جاری)

احتیاط ملحوظ رہے!

"قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بےحرمتی سے محفوظ رکھیں" (ادارہ)

THE ORIGINAL
Coca-Cola
Have a Coke and a smile.
"COCA-COLA" AND "COKE ARE THE REGISTERED TRADE-MARKS WHICH IDENTIFY.
THE SAME PRODUCT OF THE COCA-COLA COMPANY.
paragon

تہران میں
اسلامی انقلاب کی تیسری سالگرہ

مولانا عتیق الرحمن سنبھلی

غیر معتبر ذرائع ابلاغ کے باعث ایران کے اسلامی انقلاب کے بارے میں کوئی صائب اور واضح نقطۂ نظر قائم کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ مولانا عتیق الرحمن سنبھلی کا مضمون، جو ہفت روزہ 'المنبر' فیصل آباد سے ماخوذ ہے اس پہلو سے بہت وقیع اور معتبر ہے کہ یہ موصوف کے ذاتی مشاہدات پر مبنی ہے (ادارہ)

جنوری کے آخری ہفتے میں کسی بالوسطہ تعاون کی بنا پر لندن کے ایرانی سفارتخانہ کی دعوت وصول ہوئی کہ انقلاب ایران کی تیسری سالگرہ کی تقریبات میں شرکت ان کے لئے باعث مسرت ہوگی۔ سوچا کہ ایران میں جو کچھ ہوا ہے اور ہو رہا ہے اسے براہ راست اپنی آنکھوں سے دیکھا جائے۔ کچھ پہلو دوسرے بھی تھے اس لئے قدرے سوچا اور پھر دعوت قبول کر لی۔ ۲ فروری کی شام کو ہم چار دیگر افراد کے ساتھ ایران ائرلائنز کے ذریعے تہران روانہ ہو گئے۔ تہران کا وقت لندن سے ۳½ گھنٹے آگے ہے اس لئے وہاں اترے تو صبح ہو گئی تھی۔ پھر ۱۵ فروری کو تہران سے واپس ہو کر شام کو لندن آ گئے۔

اسی بارہ روزہ قیام میں جو کچھ دیکھا اور جو تاثرات پلے گئے اور قائم ہوئے وہ سب اسی طرح لکھ سکتے جس طرح لکھنے کا حق ہے تو کافی دلچسپی اور فائدے کی چیز ہوتی۔ مگر اب دماغ اسی طرح کا نہیں رہا۔

پورے قیام کے دوران ہر وقت ماحول ایسا تھا کہ طبیعت اچھی نہ بھی ہو تو بھی تھوڑی بہت اچھی معلوم ہو۔ ایک ہمہ وقتی جشن اور ہماہمی کا ماحول تھا۔ تہران کا پندرہ منزلہ ہلٹن ہوٹل قیام گاہ تھا جو انقلاب کے بعد "استقلال ہوٹل" یعنی آزادی ہوٹل ہو گیا تھا۔ اور فارسی میں بجائے خانہ بزرگ استقلال کہلاتا ہے۔ کچھ مہمان ہم

سے پہلے بھی پہنچے تھے کچھ اور ہمارے ساتھ اترے تھے اور بعد میں تو روز آتے گئے اور ایک بارات کا سماں ہو گیا - ۴۵ ملکوں کے مہمان تھے - ہمارے ہوٹل میں قیام کرنے والے پانچ سو سے اوپر تھے ۱۱ر فروری کو اصل تقریب تھی -

کیا میزبانی آیت اللہ حکومت نے کی ہے کہ یاد رہے گی - ہم مکہ مکرمہ میں رابطہ کے مہمان بھی رہ چکے ہیں اور رلیٹن ہوٹل ہی کے ذمہ مہمانی تھی - مگر بڑا فرق تھا عجم کی سربراہی جس طرح عرب سربراہوں کو میدانِ جنگ اور سیاست میں شکست دینے پہ تلی ہوئی ہے اسی طرح شاید مہمان نوازی میں بھی مات دینے کی اس نے ٹھان رکھی ہے جن دنوں مہمان دن رات اتر رہے تھے ان دنوں بھی کسی وقت کوئی چیز کم نہ پڑتی بلکہ کہو کہ کسی چیز کی فراوانی میں کمی نظر نہ آتی تھی جو آئیٹم کھانے میں ہوتے تھے وہ شروع سے آخر تک یکساں فراوانی سے برقرار رہے - پھر عملہ ایسا شائستہ، شیریں بیان اور مستعد کہ کبھی جو کسی طرح کا فرق یا کمزوری کا برتاؤ نظر آئے -

استقلال ہوٹل کا محلِ وقوع ایران کے مشہور کوہ البرز کی وادی کا بالائی حصہ ہے - مغربی سمت میں مشکل سے ایک میل کے فاصلے پر شمالاً جنوباً یہ سلسلہ کوہ پھیلتا چلا گیا ہے جو برف باری کا اس زمانہ میں بڑا حسین منظر پیش کر رہا تھا خصوصاً آخری دنوں میں منظر تو بہت دن نہیں بھولے گا ایسی زبردست برف باری ہوئی تھی کہ راتوں کو بھی چاندنی پھیلی نظر آ رہی تھی - یہاں کی برف باری میں وہ ٹھنڈک نہ تھی جس سے لندن میں واسطہ پڑا تھا - وہ خوشگوار موسم جو کہنا چاہئے کہ آدمی کو چاہیئے مثلاً گرمی کا کوئی سوال نہیں - سردی کی بھی شکایت ان بارہ دنوں میں نہ ہوئی -

نہایت اعلیٰ قسم کی بسوں کا ایک بیڑہ مہمانوں کو مختلف پروگراموں میں لے جانے کے لئے موجود تھا بطورِ خود گھومنے پھرنے پر اگرچہ کوئی پابندی نہیں تھی مگر صبح وشام اتنے پروگرام تھے کہ جو شخص ان پروگراموں کو چھوڑنا نہ چاہتا اس کے لئے شہر دیکھنے کا موقعہ اِن بسوں میں اِدھر اُدھر جانے سے ہی ملتا تھا اور یہ برابر ملتا رہا -

شہری زندگی ہر طرح سے نارمل نظر آتی تھی صبح کو بھی بازاروں سے گذرے، دوپہر کو بھی، سہ پہر کو بھی اور شام کو بھی، کسی وقت اور کسی جگہ غیر معمولی پن کے آثار نظر نہیں آئے شروع شروع میں بسوں کے اندر اور بسوں کے ساتھ گارڈز (پاسداران) کا کچھ زیادہ ہی اہتمام تھا مگر پھر کم ہوتا گیا۔ ان دس پندرہ بسوں کا بیڑا مہمانان انقلاب کو لئے ہوئے جس طرف سے گذرتا راہ گیر خوش آمدید کے نعروں اور اشاروں سے استقبال اور انقلاب سے ہم آہنگی کا اظہار کرتے تھے پہلے بھی شبہ نہیں تھا اب آنکھوں نے دیکھ لیا کہ پوری طرح عوامی انقلاب ہے اور یہی اس کے تحفظ کی ضمانت ہے۔

جناب خمینی کے لئے بے تاج بادشاہ کا لفظ ناکافی ہے حقیقت میں انکی شخصیت گویا پنجتن کے نمائندے اور شیعی اصطلاح کے مطابق "امام" کی ہے کہ اس پر مرد و زن اور جوان سب نثار ہیں وہ بات جو ابتک معلوم نہیں تھی یہیں آکر سامنے آئی کہ ادھر کسی مقرر کی زبان پر امام کا نام آیا اور ادھر اللّٰھم صلّ علی محمد وآل محمدؐ کا نعرہ مجمع سے اٹھا جو تین بار کہنے کے بعد رکتا۔ تکبیر کا موقع آتا ہے تو تین بار اللہ اکبر کے بعد "خمینی رہبر" چوتھی چیز ہوتی ہے اور پانچویں چیز ان کے منصب امامت (جسے خاص فقہی اصطلاح میں ولایت فقیہ کا نام دیا گیا ہے) کے مخالفوں پر مرگ (مردہ باد) کا نعرہ جو یوں ہے "مرگ بر ضد ولایت فقیہ مرگ بر امریکہ، مرگ بر اسرائیل۔ مرگ بر منافقین و صدام" یہ ہے یہاں کا پورا "نعرہ تکبیر" یہ بھی اندازہ ہوا ہے کہ یہ لوگ اسلام کے نعرے میں صادق ہیں۔ اہل سیاست والا کھیل اور فراڈ نہیں ہے۔ جس طرح ہماری تبلیغی جماعت میں سب سے زیادہ جو بات ذہن نشین کرائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ سے سب کچھ ہوتا ہے چیزوں سے کچھ نہیں ہوتا۔ اسی طرح یہاں جو سب سے گہرا نقش قوم کے دل میں بٹھایا جارہا ہے وہ فقط اللہ کی کبریائی اور اس پر بھروسہ ہے اور پھر یہ نقش گری چونکہ باطل اور طاغوت، دشمنان خدا اور دشمنانِ اسلام سے رزم آرائی کے سیاق وسباق میں ہے اسلئے بے خوفی اور شوق شہادت کی وہ روح بچے بچے میں نظر آتی ہے کہ رشک آئے۔

ہم لوگوں کا ایک سفر محاذ جنگ کا بھی ہوا - عین محاذ تک تو نہیں مگر اس علاقے کے دو شہروں تک لے جائے گئے جو عراقی گولہ باری اور میزائل اندازی کی زد میں آئے تھے ان کے نام ہیں دیزفل اور شوش، اس وقت تو جنگ برائے نام ہو رہی ہے بس دو تین گولوں کی آواز آئی یہ سفر ایرانی فوج کے ہوائی جہازوں میں ہوا تھا - بظاہر مقصد ہم لوگوں کو عراق کی غارت گری دکھانا تھا -

۱۱ رفروری کو یوم انقلاب میں کئی گھنٹے پریڈ جنگی قوت اور اس سلسلے کی صنعتوں کی نمائش رہی اس میں دو چیزیں سنانے کے لائق ہیں -

ہم ڈائس کے برابر ہی بیٹھے تھے پریڈ کا تھوڑا سا وقت گزرنے کے بعد پریڈ کے راستے میں دو جھنڈے لاکر بچھا دیئے گئے ایک جھنڈا امریکہ اور دوسرا روس کا - امریکہ کا جھنڈا تو آخر وقت تک پڑا رہا - مگر روس کا ہم نے دیکھا جلدی سے ایک صاحب نے اٹھا لیا پوچھا تو پتہ چلا کہ یہ ذرا زیادتی ہو گئی تھی کیونکہ روس کا فوجی اتاشی مدعو تھا اس نے واک آوٹ کر دیا تھا -

پانچ کا سوانگ

دوسری چیز جو ہمارے یہاں کی طرح ایک سوانگ تھا - پانچ لڑکوں کی ٹولی، پانچ ملکوں کا روپ دھارے ہوئی تھی ان میں سب سے آگے امریکہ اس کے پیچھے رسی سے بندھا ہوا عراق، پھر اردن پھر اسرائیل اور پھر اس کی دم سے بندھا ہوا کون ؟ کون ؟ پاکستان ! ہر ایک کی پشت پر نام لکھے تھے - مگر افسوس ہم نے یہ نہیں دیکھا کہ کسی پاکستانی نے واک آوٹ کیا ہو جو کثیر تعداد میں مدعو تھے کہ وہ بھی روس کی طرح احتجاج کرتے ہوئے چلے گئے ہوں -

آخری دن وہ جیل دیکھی جس میں خاص طور پر مجاہدین خلق بند ہیں - جیل کیا ہے ایک شاندار ہاسٹل ہے حیران رہ گئے ایران کس قدر ترقی یافتہ ہے یہاں سینکڑوں قیدی ہم سے ملائے گئے ایران میں یہ سب کے سب ۱۴، ۱۵، ۲۰ ہے ۲۱ - برس کے لڑکے تھے یہاں گویا ان کی ذہن شوئی کی جا رہی ہے - ہمارے ساتھ ایران کی اسلامی انقلابی عدالت کے چیف پراسیکیوٹر بھی تھے وہ بے خطر ان سینکڑوں لڑکوں سے ہمارے ساتھ گھلے ملے جو قیدیوں کی طرح ہاسٹل میں طالب علموں کی طرح نظر آرہے تھے - ہم نے دیکھا کہ گویا یہ قیدی لڑکے ان کے ہاتھ ہیں ہیں

اظہار لمیٹڈ

کی

تیار چھتیں

(پریکاسٹ کنکریٹ۔ پریسٹرسیڈ کنکریٹ کی مصنوعات)

گارڈر بالے اور سلیب وغیرہ

مندرجہ ذیل مقامات سے دستیاب ہیں

صدر دفتر ۶۔ کوثر روڈ، اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور۔ فون:۔ ۶۹۵۲۲ / ۶۱۵۱۷

فیکٹری واقع پچیسواں کلومیٹر لاہور شیخوپورہ روڈ

لاہور ڈپو ۱۴۷۔اے 1 فیروز پور روڈ (نزد جامعہ اشرفیہ) فون ۴۱۳۵۶۹

فیصل آباد شیخوپورہ روڈ۔ نزد نیشنل ہوزری۔ فون معرفت:۔ ۵۰۷۴۴

گجرات جی ٹی روڈ۔ کٹھالہ (نزد ریلوے پھاٹک)

راولپنڈی جی ٹی روڈ۔ سواں کیمپ فون:۔ ۶۸۱۲۷

تیار کردہ:۔ کنکریٹ پری کاسٹنگ لمیٹڈ

(سی۔ پی۔ ایل)

آپ کو تیار چھت درکار ہے تو اطمینان کر لیجئے کہ وہ سی۔ پی۔ ایل کی بنی ہوئی ہو

Regd. L No 7360

MONTHLY **"MEESAQ"** LAHORE

Vol 31 | JUNE 1982 | No 6

قدرتی گیس کا ضیاع روکیئے

ہمارے توانائی کے وسائل محدود ہیں ہم توانائی کے ضیاع کے متحمل نہیں ہو سکتے

گیس بچا کر
قومی معیشت کو
مستحکم بنائیے

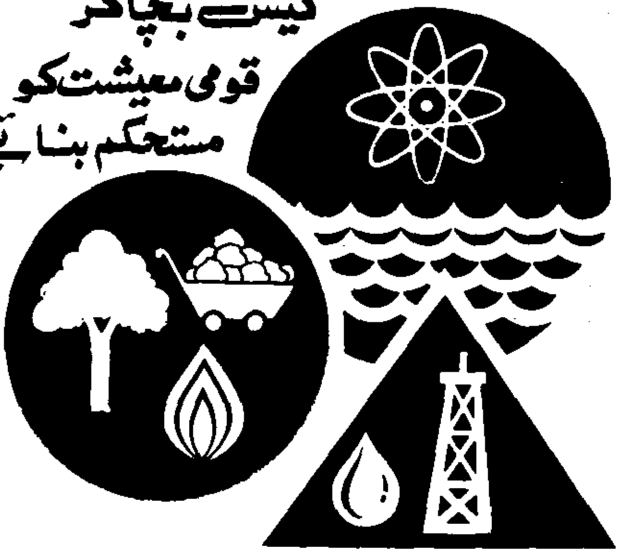

ہمارے ملک میں توانائی کے وسائل کی کمی ہے۔ توانائی کی ضروریات کثیر زر مبادلہ صرف کر کے پوری کی جاتی ہیں۔ ہماری صنعت، تجارت، زراعت کے شعبوں میں توانائی کی مانگ روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ آپ کی بچائی ہوئی توانائی ان اہم شعبوں کے فروغ میں کام آئے گی۔

قدرتی گیس بہت زیادہ
قیمتی ہے،
اسے ضائع نہ کیجئے

سوئی ناردرن گیس پائپ لائنز لمیٹڈ

SUI NORTHERN

SNGPL-4/80

paragon